

جاسوسی دنیا نمبر 23

قاتل سنگریزے

(مکمل ناول)

پیش لفظ

”قاںل سگریزے“ کو آپ ہر حیثیت سے دلچسپ پائیں گے۔ اس میں تحریر، مراج، کردار نگاری اور داستان کی دلچسپی سب کچھ موجود ہے۔ ایک کرغل کی موت پر اسرار حالات میں ہوئی۔ وہ اپنے ریواور سے کسی پر حملہ کرتا ہے مگر خود مر جاتا ہے۔ لیکن اسے گولی نہیں لگی تھی۔ اس کا بھائی پھول توڑتے وقت چیخ کر گرتا ہے اور مر جاتا ہے۔ پھر بھیجا اپنی کار میں بیووش پایا جاتا ہے۔ آسمان سے مردہ پرندوں کی بارش۔ ایک عجیب و غریب جانور کا تذکرہ جس کا نام کوئی نہیں جانتا تھا۔ پر اسرار آدمی کی داستان جس سے سب خائف رہتے تھے، جو نوجوان لڑکیوں کو اٹھالے جاتا تھا۔ جس نے کرغل سے انتقام لینے کی قسم کھائی تھی۔ فریدی اس ناول میں بہت پر سکون نظر آتا ہے، لیکن وہ خاموشی سے کیا کرتا رہا تھا؟ اکٹھاف ہوتے ہی آپ چونک پڑیں گے۔ ایک لڑکی تین مرد۔ سارجنٹ حمید نے دل پر جر کر کے ہاتھ پر ہلائے تو ایک حماقت کر بیٹھا، لیکن وہ حماقت بھی کام آئی۔

ابن صفحہ

مرگِ ناگہاں

ڈوبتے ہوئے سورج کی نارِ نجی شعایمیں پہلی کو نجی کی اوپری منزل پر پہلی ہوئی تھیں اور پہلی کو نجی شہر کی دوسری عظیم الشان عمارتوں سے الگ تھلک سدا بہادر ختوں اور پھولوں کے تھتوں سے گھری کھڑی تھی۔ یہ تھی تو دولتِ نجی کے علاقے میں لیکن شہری آبادی اس سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھی۔ اس کے ارد گرد کی آبادی کا شمار شہری آبادی میں نہیں ہوتا تھا۔ یہاں زیادہ تر ماہی گیر تھے، جو قریب کے دریا سے اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔ دو چار گھن کپڑا بٹنے والوں کے بھی تھے۔ ان کے علاوہ پہلی کو نجی کے مالک کر عل جواد کے ملازمین نے بھی اپنے گھر بنانے تھے۔ اس علاقے کی ساری زمین کر عل جواد ہی کی تھی، جو اس نے برائے نام کرائے پر اخراج کی تھی۔ کرایہِ محض اس نے لیتا تھا کہ زمین پر اس کا قبضہ مالکانہ قائم رہے۔ ورنہ دیسے اس کا مقصد اس زمین کو آباد کرنا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ اُس نے اس بات کا بھی خیال رکھا تھا کہ کوئی ایسا آدمی وہاں آباد نہ ہونے پائے جو اس کے سامنے سر اٹھائے۔ اس کی یہ عنایت صرف نکلے ہی طبقے تک محدود تھی۔ بہر حال پہلی کو نجی کے چاروں طرف بے شمار چھوٹے موٹے کچے کپکے مکانات اور جھونپڑے بکھرے ہوئے تھے اور شام کے دھنڈ لکے میں اس بستی میں پہلی کو نجی نہ جانے کیوں انجائی نہ اسرار معلوم ہونے لگتی تھی۔

خود کر عل جواد اس سے بھی زیادہ پر اسرار تھا۔ ۱۹۱۳ء کی بیگن سے فرصت پانے کے بعد سے اس نے یکے بعد دیگرے آٹھ شادیاں کی تھیں اور وہ سب دو دو تین تین سال کے وقایے سے لاولد ہی مر گئی تھیں۔ اسی بناء پر اس کے بعض بے تکلف دوست اُسے یوں خور کہنے لگے تھے۔ آٹھ

بیویوں میں سے کسی نے بھی اس کا کوئی دارث نہیں چھوڑا تھا۔ اس لئے اب آخر عمر میں نزدیک اور دور کے بیتھرے رشتے دار اس کے گرد جم جم ہو گئے تھے۔ ان میں اس کا بھائی سلم اور بھیجا کیپٹن اشرف بھی تھا۔ پہلے وہ دونوں کسی دوسرے شہر میں رہے تھے لیکن اوہر دو سال سے ان کا قیام بھلی کو خوبی میں تھا۔ ان دونوں کے علاوہ پانچ افراد اور تھے جن میں اس کا بھانجاؤ اکثر قدیر نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔ شہر میں اس کی پریکش اچھی خاصی چلتی تھی اور وہ اعتماد دولت مند تھا کہ اس نے دوڑا کثر طازم رکھ چھوڑے تھے، جو اس کی عدم موجودگی میں اس کے مریضوں کی دلکشی بحال کیا کرتے تھے۔ ذا کثر قدیر عموماً گرمیوں کا زمانہ اپنے ماموں کر گل جوادی کے ساتھ گذرا کرتا تھا۔ اس کی عمر تین بیس کے لگ بھگ تھی لیکن وہ ابھی تک کنوار ا تھا۔ عزیزوں میں وہی کرع جواد سے سب سے زیادہ قریب تھا۔ وہی ایک ایسا تھا جسے کرع کچھ سمجھتا تھا۔ لڑکوں میں اسے اپنی بیوہ سالی بیکم نواز کی لاکی غالیہ بھی عزیز تھی۔ کرع جواد کی ایک پچاڑا بہن اپنے شوہر سے بھاڑ کر کے اُسی کے ساتھ رہنے لگی تھی۔ اس کے ساتھ اس کا اکلوتا لاکا نصیر بھی تھا جسے کرع قطعی پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کے عادات و اطوار اُسے ناپسند تھے۔ وہ کافی خوبصورت تھا اور ہر وقت خود کو بنائے سوارے رہتا تھا۔ کرع اُسے عموماً زخما کے نام سے یاد کرتا تھا۔ بستی کے لوگوں کا خیال تھا کہ وہ سب کرع کی کیش دولت کی لائچ میں یہاں جمع ہو گئے جئے اور ان میں سے ہر ایک کرع کا دل جیتنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کرع جواد کے اعزما اسے خبیثی سمجھتے تھے۔ چڑچا تو خیر دہ تھا ہی۔ اس پر عمر کا تقاضا۔ لیکن عمر کی زیادتی نے اس کے جسم پر کوئی خاص اثر نہیں ڈالا تھا۔ جسم کی توانائی کی بنا پر اس کے سفید بال ایسے ہی معلوم ہوتے تھے جیسے وہ قبل از وقت سفید ہو گئے ہوں۔ دیے اس کی عمر ستر سال سے کسی طرح کم نہ تھی۔

اس وقت وہ اپنے پائیں باخ میں بیٹھا اپنے داہنے بیو کے تکوے کا وہ زخم دلکش رہا تھا جو اسے تقریباً ایک ماہ سے پریشان کئے ہوئے تھا۔ بس ایک دن بیٹھے بٹھائے داہنے بیو کے تکوے میں کھجلی اٹھی جو بڑھتی ہی گئی اور پھر کھجالاتے کھجالاتے دو چار دن بعد زخم ہو گیا تھا۔ کھجلی اتنی شدید اٹھتی تھی کہ وہ بے اختیار اپنا تکوہ ہر اس چیز سے کھجالانے لگا جو چیز اس کے ہاتھ لگ جاتی تھی۔ ایک دن شیو کرتے وقت کھجلی اٹھی اور اس نے بلیڈ سے کھجالانا شروع کر دیا۔ نتیجے کے طور پر تکوہ

کنی جگہ سے کٹ گیا۔

ڈاکٹر قدری اس کا علاج کر رہا تھا۔ مینڈ تنگ وغیرہ بھی وہ خود اپنے ہاتھ ہی سے کر رہا تھا لیکن زخم ابھی تک نہ بھر سکا تھا۔ جہاں سمجھلی انھی کر گل جواد پیش اس کھول ڈالتا اور زخم کو رگڑنے لگتا۔ کبھی مسہری کی پیشوں سے بھی صوفے سے اور بھی کسی درخت کے تنے سے۔ آج ڈاکٹر قدری صحی سے گھر پر موجود نہیں تھا اس لئے خود کر گل ہی پائیں با غم میں بیٹھا ہوا اپنا زخم دھور رہا تھا۔ اس کا سب سے پرانا خادم رفیق پانی ڈال رہا تھا۔

”نہ جانے آج قدیر نے اتنی دیر کہاں لگا دی۔“ کر گل خود بخود بڑپڑایا۔

”بہت ممکن ہے کہ کوئی خاص قسم کا مریض مل گیا ہو۔“ رفیق نے کہا۔

”لیکن اُسے میرا خیال بھی تو رکھنا چاہئے تھا۔“ کر گل نے جھنجھلا کر کہا۔

”پستان صاحب یا نصیر میاں کو بلاوں۔“ رفیق نے کہا۔

”کیپشن اشرف کہو۔“ کر گل منہ بناؤ کر بولا۔ ”یہ لوڑا تو اس طرح اکڑتا پھرتا ہے جیسے کیپشن نہیں جزل ہو اور آواز سنئے تو جیسے ملی میاؤں میاؤں کر رہی ہو۔ پریڈ کیا کر اتا ہو گا۔ عجیب زمانہ آگیا ہے، ایسے ایسے نازک بد نوں کو فوج میں نو کریاں ملنے لگی ہیں سناء ہے کہ وہ زندگی کمیش کے چکر میں ہے۔“

”کون...؟“

”ماں... وہی نصیر، جسے ہلکی سی چپت بھی مار دوں تو کئی دن بخار آجائے۔“

”صاحب ان لوگوں کے طور طریقے تو مجھے بالکل پسند نہیں۔“ رفیق نے کہا۔

”اُرے بابا تو مجھے کب پسند ہیں۔ سناء کل رات کو نصیر نئے میں تھا۔ اگر میری آنکھ کھل گئی ہوتی تو بتاتا سوئر کو۔ پینے کو دو گپ اور اودھم اتنا چاکائیں گے جیسے قرابے صاف کر گئے ہوں۔“

”سر کار مجھے تو ہنسی بھی آرہی تھی اور غصہ بھی۔ آتے ہی عالیہ بی بی کا ہاتھ پکڑ لیا اور جھوم جھوم کر کہنے لگے، تمہارا نام فل فل فل ہوئی ہے، مگر عالیہ بی بی نے بھی وہ زور دار تھپڑ ریسید کیا ہے کہ پچھلے جنوں کا حال بھی روشن ہو گیا ہو گا۔“

”میں ہوتا تو مارتے مارتے ادھ مرا کر دیتا۔“ کر گل نے کہا۔ ”اُرے ہم بھی پیتے تھے اور بے تحاشہ پیتے تھے۔ مگر کیا مجال کہ زبان میں لغزش ہو جائے۔“

"میں جانتا نہیں۔" رفیق نے کہا اور پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔

"پستان صاحب بھی پیتے ہیں لیکن میں نے ڈاکٹر صاحب کو آج تک نئے میں نہیں دیکھا۔"

"ارے وہ کیا پے گا کنجوس کمھی چوں۔" کرعی نہیں کر بولا۔ "لیکن اس بھی سے پیار بھی

بھلک رہا تھا۔"

"ڈاکٹر صاحب بہت اچھے آدمی ہیں۔"

"ارے وہ سور! تم اُسے اچھا کہتے ہو۔ دیکھتے نہیں جوچ سے برابر سے لڑتا ہے۔"

"وہ تو خود آپ ہی نے انہیں ہبہ دے رکھی ہے۔"

"مجھے کھرے آدمی پسند ہیں۔" کرعی نے پیر کو خلک کر کے سامنے والی کرسی پر رکھتے

ہوئے کہا۔ "وہ خوشابدی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اور بقیہ سب لوگ میری موت کے مختصر ہیں۔

میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

رفیق کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے کرعی کی رائے سے اتفاق ہو لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

پھر کرعی خود ہی تھوڑی دیر کے بعد بڑا نے لگا۔ "لیکن انہیں مایوسی ہو گی۔ وہ مجھے نہیں جانتے۔ میں نے وہ دیسیت نامہ مرتب کیا ہے کہ اُن کی آنکھیں کھل جائیں گی۔"

رفیق پھر خاموش رہا۔ دھنٹا کر کرعی اس کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔ "پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔" تم چالیس سال سے میرے ساتھ ہو۔ میری طبیعت کا اندازہ تم نے بخوبی لگایا ہو گا۔ اچھا بتاؤ تو میں نے کس قسم کا دیسیت نامہ مرتب کیا ہے۔"

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔" رفیق نے اس کی طرف مرہم اور پیش اور بڑھاتے ہوئے کہا۔ "شہرو... اس طرح کچھ سکون مل رہا ہے۔ مرہم لگاتے ہی پھر کھلی شروع ہو جائے گی۔"

کرعی نے کہا۔ "ان میں نے کسی کو بھی نہیں معلوم کہ میں آج کل کیا کر رہا ہوں۔"

"تو آپ مجھے کیوں بتا رہے ہیں۔"

"اس لئے کہ تم تمام میں ڈھنڈو راپسٹے پھر وو۔" کرعی جھنگلا کر بولا۔ پھر تھوڑی دیر تک اُسے گھوڑتے رہنے کے بعد کہنے لگا۔ "مجھے اُن سب سے زیادہ تم پر اعتماد ہے۔ میرا کون سا ایسا راز ہے، جو تم نہیں جانتے۔ تمہارے علاوہ میں نے کسی اور کو اپنا ہمدرد سمجھا ہی نہیں۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ

اب میری موت قریب ہے۔"

"آپ نے پھر وہی باتیں کرنی شروع کر دیں۔" رفیق نے آہستہ سے کہا۔ "وہ نہ جانے کب کا مرکھ پ گیا ہو گا۔"

"نہیں وہ بھی نہیں مر سکتا۔ میری موت سے پہلے تو بھی نہ مر سکے گا۔ وہ خبیث وہ ناخوار۔ اُس کے علاوہ اور کون اس سور کی تصویر بنائے گا۔ میرا خیال ہے کہ اس سور کو یا تو میں پہچانتا ہوں یا وہ خود اس سے واقع ہے۔ مجھے اس کی دھمکی آج تک یاد ہے۔ مجھے آج بھی یاد ہے جب میں نے اُسے ہنڑ سے پینا تھا۔ میں اُسے پیٹ رہا تھا اور کسی انجانے خوف سے میری روح لرز رہی تھی۔ یہ دھمکی مجھے اسی کی طرف سے موصول ہوئی ہے سن! اب یا تو میں ہی مروں گایا وہ خود۔ جب سے مجھے اُس سور کی تصویر دکھائی دی ہے میں اپنے پاس ہر وقت بھرا ہوا ریو اور رکھتا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھتا کہ وہ یہاں کس طرح پہنچے گا۔" رفیق نے پر تشویش لجھ میں کہا۔

"تعجب ہے کہ تم اسے دیکھے چکنے کے بعد بھی اس حسم کی باتیں کر رہے ہو۔" کرٹل نے کہا۔ "میں جادو وغیرہ کا قائل نہیں ہوں مگر پھر بھی مجھے اس کی شخصیت میں کوئی مافوق الفطرت چیز محسوس ہوتی رہی ہے۔"

دونوں خاموش ہو گئے۔ دھوپ غائب ہو گئی تھی اور اب دھنڈ لکھا پھیلنے لگا تھا۔ بستی کے مکانوں سے بلکہ لکا دھوان انھر رہا تھا اور چاکا ہوں سے واپس آنے والے مویشیوں کی گھنٹیاں فضا میں ارتقا ش پیدا کئے ہوئے تھیں۔

کرٹل کی نظریں افق پر جویں ہوئی تھیں جہاں کئی رنگوں کے شوخ لہریے ابھر آئے تھے وہ وہاں اسی طرح بیٹھا رہا تھا کہ افق کے رنگ بھی دھنڈ لے پڑ گئے۔ ابھی تک اس کا زخم کھلا ہوا تھا اور رفیق چپ چاپ کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس دوران میں ایک لفڑا بھی نہیں بولا۔ کرٹل کسی سوچ میں ڈوبتا ہوا تھا۔ رفیق اس کے مزاج سے اچھی طرح واقع تھا۔ کرٹل اپنے عادات و اطوار کے اعتبار سے تقریباً خبلی ہی تھا۔ اگر رفیق ایسی حالت میں اسے اپنی طرف خاطب کرنے کی کوشش کرتا تو وہ بے تحاشہ اس پر برس پڑتا اس نے خاموش ہی رہ کر خود اس کے چوکنے کا انتظار کرتا رہا۔ کرٹل کی عادت تھی کہ وہ اکثر اسی طرح گھری سوچ میں ڈوب جاتا تھا اور اس کی آنکھیں اس طرح دیران ہو جاتی تھیں جیسے وہ بحالت بیداری کوئی ڈرائنا خواب دیکھ رہا تھا اور اگر اسے

محبوب سے چوتھا نہ کی کوشش کی جاتی تھی تو وہ ضرورت سے زیادہ برا فروختہ نظر آنے لگتا تھا۔
تحوڑی دیر بعد کرٹل خود بخود چوتھا اور اس کی نظریں پھاٹک کے باہر دھند لکے میں رینگنے لگیں۔ پھر وہ بے تحاشہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے زخم...!" رفیق بے اختیار بولا اور اس کی نظروں نے کرٹل کی نگاہ کا تعاقب کیا۔
باہر اسے کوئی جانور بھاگتا ہوا دکھائی دیا لیکن انہیں اہم ہیرا ہونے کی وجہ سے وہ اس کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہ کر سکا۔

ساتھ ہی کرٹل نے ایک زور دار چیخ ماری اور تیزی سے دوڑتا ہوا پھاٹک کے باہر نکل گیا۔
رفیق بھی اس کے پیچے دوڑا لیکن کرٹل کی رفتار تیز تھی۔ وہ اس سے کافی فاصلے پر دوڑ رہا تھا۔ رفیق یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کرٹل اس عمر میں بھی اتنا تیز دوڑ سکتا ہے، حالانکہ اس کی عمری کرٹل کے ساتھ گذری تھی۔ لیکن اس وقت اسے اس طرح دوڑتے دیکھ کر وہ اپنی حرث کو کسی طرح نہ دیا سکا۔ خود رفیق بھی بورڈھا تھا اور اب اس میں اتنی سکت نہیں رہ گئی تھی کہ زیادہ تیز چل بھی سکتا۔ لیکن اس وقت وہ اپنی ضعیفی کے خیال کے باوجود بھی حتی الامکان کرٹل کے قریب پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دھنٹا سے ایک قاتر کی آواز سنائی دی اور اس نے کرٹل کی چیخ بھی ساف پہچان لی۔ پھر کسی کے گرنے کی آواز آئی۔ رفیق دیواؤں کی طرح چنتا ہوا آواز کی طرف دوڑ رہا تھا۔

پھر دو گھنٹے کے بعد کرٹل کے خاندان کے سارے افراد اس کی لاش کے گرد جمع تھے۔ دولت چنگ تھانے سے پولیس بھی آئی تھی۔ لاش ابھی تک اسی جگہ پڑی ہوئی تھی جہاں کرٹل گرا تھا۔

کیپشن اشرف پولیس انسپکٹر سے کہہ رہا تھا۔ "ہم لوگوں نے قاتر کی آواز سنی، پھر پے در پے چنگیں سنائی دیں۔ ہم سب دوڑ کر اوہر آئے تو پچھا جان کو اس حال کو پلایا۔"

"کیا یہ آپ لوگوں کے ساتھ ہی تھے۔" انسپکٹر نے پوچھا۔

"نہیں پائیں باعث میں بیٹھنے اپنے زخم کی مرہم پنی کر رہے تھے۔"

"ان کے پاس اور کون تھا۔"

"ان کا خادم خصوصی رفیق۔"

"وہ کہاں ہے۔"

”اس کم بخت کو تو ہم بہت دیر سے حلاش کر رہے تھے۔“ کیپٹن اشرف کا باپ سلیم بھرا تی ہوئی آواز میں بولا۔

”ان دونوں کے علاوہ اور باغ میں کون تھا۔“

”ہم کچھ نہیں بتا سکتے۔“ کیپٹن اشرف نے اپنی آنکھوں پر رومال پھیرتے ہوئے کہا۔ ”ہم سب اندر تھے۔“

”آپ کے گھروالوں میں سے کوئی باہر تو نہیں۔“

”ہاں میرا بھانجاؤ اکثر قدیر ...!“ سلیم نے کہا۔

”کب سے باہر ہیں۔“

”صحیح سے غالباً شہر گیا ہوا ہے۔“

”تو کر جو غائب ہو گیا ہے اس کا گھر کہاں ہے۔“

”وہ بھیش بھائی صاحب کے ساتھ ہی رہتا تھا۔“ سلیم نے کہا۔

”میا اُس سے اُن کی کبھی لڑائی ہوئی تھی۔“

”میرے خیال سے تو کبھی نہیں۔“ سلیم نے اپنی روہانی آواز پر قابوپاتے ہوئے کہا۔ ”بھائی صاحب اُس پر بہت اعتماد کرتے تھے۔“

”میا آپ سب نے فائز کی آواز سنی تھی۔“

”ہم نے تو سنی تھی کیپٹن اشرف نے کہا اور پھر وہ نیکم نواز، عالیہ اور اپنی پھوپھی نیکم عارف کی طرف مخاطب ہوا جو تھوڑی دور پر کھڑی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ انہوں نے بھی اس کے بیان کی تائید کی۔ سمجھی نے فائز کی آواز صاف سنی تھی۔ چیزوں کے متعلق اُن میں اختلاف تھا۔ کسی کا خیال تھا کہ وہ رفتق کی جنگی تھیں اور کوئی کہتا تھا کہ وہ خود کر گل جواد جنی رہتا تھا۔

”سب اسپکٹر لاش پر جھک گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے سر اٹھا کر کہا۔

”لیکن ان کی موت کوئی لگنے سے نہیں ہوئی۔“ پھر وہ کر گل کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریو الور کا جائزہ لینے لگا۔ اس کے ماتھے پر تھکر کی گھری لکیر نمایاں ہو گئی تھیں۔

”کتنے فائزوں کی آوازیں سنی گئی تھیں۔“ اس نے کیپٹن اشرف سے پوچھا۔

”صرف ایک۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔“ اشرف نے کہا اور اپنے گھروالوں کی طرف دیکھنے

لگا۔ اس کے اس بیان کی بھی تائید کی گئی۔

”تب تو وہ فائر اسی ریو اور سے ہوا تھا۔“ سب انپکٹر نے ریو اور کی ہال کو اپنے ہاک کے قریب لے جاتے ہوئے کہا۔ ”اس میں سے صرف ایک گولی چلائی گئی ہے اور کچھ دیر قبل۔“

”تو پھر موت کس طرح واقع ہوئی۔“ سلیم نے بے تابانہ انداز میں پوچھا۔ ”آپ کہتے ہیں کہ ان کے گوئی بھی نہیں گلی۔“

”مجھے خود حیرت ہے۔“ سب انپکٹر نے لاش پر نارج سے روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ پھر وہ یک بیک چونک کر کر قتل کے ہیروں کی طرف دیکھنے لگا۔

”یہ تکوئے میں زخم کیسا۔“ اس نے کہا۔

”یہ تو تقریباً ایک ماہ قبل سے تھا۔“ کینپشن اشرف بولا۔

”تو کیا یہ عموماً نگئے ہیر ہی چلا کرتے تھے۔“

”بھی نہیں.... ابھی آپ سے بتایا تاکہ باغ میں بیٹھے اسی زخم کی مرہم پیٹی کر رہے تھے اور ان کا خادم ان کی مدد کر رہا تھا۔“

”کیا وہ زخم کی پیٹی خود ہی کیا کرتے تھے۔“

”نہیں! اذکر قدیر کرتے تھے، لیکن وہ آج صحیح سے گھر پر موجود نہیں تھے۔“

”کیا اس سے قبل بھی کبھی انہیں اپنے ہاتھ سے مرہم پیٹی کرنی پڑی تھی۔“ سب انپکٹر نے پوچھا۔

”ہمیں اس کا دھیان نہیں۔“ سلیم نے کہا۔

”کیا آج یا اس دوران میں کسی سے ان کا جھگڑا ہوا تھا۔“

”میرے خیال سے تو نہیں۔“

”ان کا کوئی دشمن بھی تھا۔“

”یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔“ سلیم بولا۔ ”میں تقریباً دو سال سے یہیں مقام ہوں۔ میں نے انہیں کبھی لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھا۔ البتہ وہ اکثر ہم میں سے کسی سے ناراض ہو جلایا کرتے تھے۔

”عمر کافی تھی اس لئے کچھ چڑچے ضرور ہو گئے تھے۔ لیکن ان کا وہ چڑچاپن بھی ہم ہی لوگوں تک محدود رہتا تھا۔“

"غائب ہو جانے والے ملازم کا حاضر ہونا ضروری ہے۔" سب انسکلز نے کہا۔ اس کے بعد کچھ رسمی اور قانونی کارروائیاں ہوئیں اور لاش وہاں سے انبوکر تھانے کی طرف روانہ کردی گئی۔

پھول کا ڈنک

تمن دن گذر گئے مگر رفتق کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اس دوران میں گھر والوں میں سے کتنی نے پہلی کو خلی سے چلے جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن پولیس نے انہیں اس وقت تک کے لئے روک دیا جب تک کہ تحقیقات مکمل نہ ہو جائے۔

کرع کی سالی بیگم نواز خاص طور سے چلے جانے پر مصر تھیں کیونکہ کرع کے بعد ان کا یہاں تھہرنا بعید از مصلحت تھا۔ دوسری طرف وہ اپنی لڑکی عالیہ کی طرف سے بھی متاخر تھیں کیونکہ بیگم عارف کا لڑکا نصیر اسے ہر وقت گھورتا رہتا تھا۔ کیپٹن اشرف بھی اس میں خاصی دلچسپی لیتا تھا۔ ڈاکٹر قدیری صرف ایسا تھا جو اس کی طرف بھی توجہ بھی نہیں دیتا تھا۔

کرع نے باقاعدہ یا بے قاعدہ طور پر کوئی وصیت نامہ نہیں چھوڑا تھا۔ اس لئے قانونی طور پر اس کا جائز وارث کیپٹن اشرف کا باپ سلیم قرار پایا تھا، حالانکہ سلیم بیگم نواز کو روک کرنے پر مصر تھا لیکن بیگم نواز بڑی طرح ابھی ہوتی تھیں۔ یہاں وہ اگر کرع کے بعد کسی سے زیادہ بے تکلف تھیں تو وہ ڈاکٹر قدیر تھا۔ وہ بھی آج کل زیادہ تر باہر ہی رہتا تھا۔ حالانکہ کرع کی طرح سلیم بھی اس کا حقیقی ماموں تھا لیکن وہ سلیم سے زیادہ مانوس نہیں تھا۔ کرع کی زندگی میں بھی ان دونوں میں بہت سی کم گفتگو ہوتی تھی۔ البتہ کیپٹن اشرف سے اس کی گاڑھی چھنٹی تھی لیکن نہ جانے کیوں آج کل وہ دونوں بھی ایک دوسرے سے کچھ کچھ سے رہتے تھے۔

کرع کی نہ اسرا رموت کے بعد سے پورے گھر پر ایک عجیب سی ویرانی چھاگئی تھی۔ ہر قسم کے کھیل تماشے بند تھے۔ ڈاکٹر قدیر اور کیپٹن اشرف نے بلیرڈ کھیلتا ترک کر دیا تھا۔ بیگم نواز اور بیگم عارف نے بھولے سے بھی شترنخ کی بساط نہیں بچھائی۔ بہر حال ہر شخص قریب قریب تھوڑا بہت محصل ضرور تھا۔ مگر نصیر! اس کے مشاغل میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہاب بھی شراب کے نشے میں عالیہ کو چھیڑتا رہتا تھا۔ اس کی ماں اس کی ان حکتوں سے عاجز آگئی تھی۔ مگر خاموشی

کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ شوہر سے پہلے ہی جگڑا ہو چکا تھا۔ اب وہ اس سر پھرے لائے کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔

کیپشن اشرف نصیر کو کنی بار اس کی حرکتوں پر ڈانت چکا تھا۔ عالیہ کے چھینٹنے کے معاملے میں وہ نہ جانے کیوں خاموش رہتا۔ لیکن جب نصیر بحمدے اور بے ہیکم سروں میں امر لکھنے میں کوئی انگریزی گیت چھینٹ دیتا تو کیپشن اشرف جملائے بغیر نہ رہتا۔ آج بھی وہ دوپھر کے کھانے کی میز پر اس پر برس رہا تھا۔

"تم آخر اپنی بے ڈھنگی حرکتوں سے باز کیوں نہیں آتے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے تمہیں پچا جان کی اچانک موت سے خوشی ہوئی ہو۔"

"بھلا مجھے کیا غم ہو سکتا ہے۔" نصیر ہونت سکوڑ کر بوا۔ "جب کہ مجھے ان کی جانبی لو سے ایک جب بھی ملتے کی امید نہیں۔"

"نصیر....!" اس کی ماں بُرنِ بُرونی اور ڈاکٹر قدری مسکرانے لگا۔

"نصیر میاں....!" سلیم نے کہا۔ "میں یہاں تم سب سے بڑا ہوں۔ کم از کم تمہیں میرا الحاظ تو کرنا ہی چاہئے۔"

نصیر نے اپنی پیٹ ایک حصکے کے ساتھ آگے سر کادی اور انٹھ کر کرے سے چلا گیا۔

"عجیب لڑکا ہے۔" سلیم نے جیپنی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"آپ ہی نے سرچ چار کھا ہے۔" بیگم عارف بولی۔

"پچھے ہے۔" سلیم نے کہا اور کھانے میں مشغول ہو گیا۔

بیگم نواز، عالیہ اور ڈاکٹر قدری بالکل خاموش تھے۔

"سبھی میں نہیں آتا کہ آخر فیض کہاں گیا۔" سلیم نے پر تشویش لجھے میں کہا۔

"مزے کر رہا ہو گا۔" بیگم نواز نے کہا۔ "پتہ نہیں نہک حرام نے یہ حرکت کیوں کی۔"

"نہیں.... میں اس کے متعلق ایسا نہیں سوچ سکتا۔" سلیم آہستہ سے بولا۔ "وہ بچپن ہی سے ہمارے یہاں رہا ہے۔ وہ بھی ایسا نہیں کر سکتا۔"

پھر وہ مستفسرانہ انداز میں ڈاکٹر کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں خود بھی بھی سوچتا ہوں۔" ڈاکٹر قدری نے کہا اور کھانے میں مشغول ہو گیا۔ پھر تھوڑی

دیر بعد سر اٹھائے بغیر بولا۔ ”پوست مارٹم کی روپورٹ عجیب و غریب ہے۔“

”میا....؟“ سلیم نے چوک کر نوالہ پلیٹ میں رکھ دیا اور ڈاکٹر قدری کی طرف دیکھنے لگا۔

”مددے میں زہر کے اثرات نہیں پائے گئے۔“ ڈاکٹر قدری نے کہا۔ لیکن....؟“ اس نے

اپنی نظر سلیم کے چہرے پر جملادیں۔ ”موت زہر سے واقع ہوئی ہے۔“

”زہر....؟“ سب بیک وقت بولے۔

”خون میں اچانک تیز حجم کا زہر پھیل جانے کی وجہ سے قلب کی حرکت بند ہو گئی۔“

ڈاکٹر قدری خاموش ہو کر اپنی پلیٹ میں چادل ڈالنے لگا۔ بقیہ لوگ رہا تھا روکے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ بیک کے زخم کے ذریعہ جسم میں زہر داخل ہوا۔“ قدری نے آہتہ سے کہا۔ ”اور خود میرا بھی یہی خیال ہے۔“

”تو فرق....؟“ کیپشن اشرف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”خدای بہتر جانے۔“ ڈاکٹر قدری بولا۔

”شاید کسی زہر میں چیز پر بیک پڑ گیا۔“ عالیہ نے کہا۔
پھر خاموشی چھا گئی۔

سلیم کے چہرے پر گھری تشویش کے آثار پیدا ہو گئے تھے اور آنکھوں میں دلی سی بے چینی کی جملک دکھائی دینے لگی تھی۔ وہ کھانا کھانے کے بعد خاموشی سے اٹھ گیا۔ ہر شخص اپنی جگہ پر کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔

تحوڑی دیر بعد سلیم نے کیپشن اشرف کو برادر والے کمرے سے آواز دی اور وہ اٹھ کر دہاں چلا گیا۔

سلیم بے تابان انداز میں شہل رہا تھا۔

”میرے ساتھ آؤ....؟“ اس نے کہا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا لایبریری میں آیا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ سلیم نے ایک کری کی طرف اشارہ کیا۔ کیپشن اشرف اُسے تختیرانہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔

”تم نے سا.... قدری کیا کہہ رہا تھا۔“ سلیم کیپشن اشرف کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

اشرف نے اثبات میں سرہلا دیا اور اس کی آنکھیں ابھی تک سوالیہ انداز میں سلیم کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

"آخر یہ کیسا زخم تھا جو ایک ماہ کے علاج کے باوجود بھی ہر ابھی رہا؟" سلیم نے پوچھا۔

"میں نے تو اسے ایک بیماری کی کوئی قسم سمجھتا ہوں۔" کیپن اشرف نے کہا۔

سلیم تھوڑی دیر تک اشرف کی طرف دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "جتنے قدر یہ پر اعتماد نہیں ہے۔"

"جی.....!" دفعتاً اشرف چونکہ پڑا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"زخم کا علاج قدر یہی کر رہا تھا۔ وہی بینڈنگ وغیرہ بھی کرتا تھا اور میرا خیال ہے کہ اُس دن سے قبل کبھی وہ بینڈنگ کے وقت باہر نہیں رہا۔"

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پچا جان کی موت میں قدر کا ہاتھ ہے۔" اشرف انھا تھا ہوا

ناخونگوار لبکھ میں بولا۔

"بینڈ جاؤ..... بینڈ جاؤ۔" سلیم نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "میں نے تم سے زیادہ دنیا کیمھی ہے۔"

"جی.....!" اشرف کا لبجد بد تمیزی سے بھی کچھ آگے بڑھ گیا تھا۔

سلیم اسے گھورنے لگا۔

"تم مجھ سے گفتگو کر رہے ہو۔" اس نے دلک لبکھ میں کہا۔

اشرف کچھ نہ بولا۔ وہ ہونٹ سکوڑے کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ سلیم کی طرف مرا۔

"لیکن یہک آپ اس نتیجے پر کیوں پہنچے۔"

"بھائی جان کی وہ دولت جس کا علم کسی کو نہیں۔"

"یعنی.....!"

"وہ جواہرات جو وہ افریقہ سے لائے تھے۔"

"لیکن انہوں نے کبھی اس کا تذکرہ نہیں کیا۔" اشرف نے کہا۔

"میں نے آج سے دس سال قبل انہیں دیکھا بھی تھا۔" سلیم آہستہ سے بولا۔ "لیکن اب ان

کا کہیں پتہ نہیں۔"

"ممکن ہے پچا جان نے انہیں فروخت کر دیا ہو۔"

"قطعی نہ ممکن..... اس قسم کی چیزیں اسی وقت فروخت کی جاتی ہیں جب نقد روپیہ نہ ہو۔"

بھائی جان کے پاس ہمیشہ نقد روپیہ رہا۔

”تو پھر آپ قدیر ہی پر کیوں شبہ کر رہے ہیں، رفیق بھی تو غائب ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ پچھا جان کے سارے معاملات سے واقف بھی تھا۔“

”اُبھی بچے ہو۔ اگر رفیق کو بھاگنا ہی ہوتا تو وہ اتنا بخوبی راست سمجھیتے اختیار کرتا۔ اگر وہ ان بیرون کی موجودگی سے واقف تھا تو انہیں بہ آسانی چراکر بھی فرار ہو سکتا تھا۔ بھائی جان کی موت کا خواہاں کیوں ہوتا۔“

”پچھے بھی ہو۔“ کیپٹن اشرف نے کہا۔ ”میں قدیر کی طرف سے نہ بے خیالات نہیں رکھ سکا۔“

”خیر.....!“ سلیم نے آہستہ سے کہا۔ ”میں نے تمہیں ایک خطرے سے آگاہ کر دیا۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میری زندگی کی گھریلوں بھی پوری ہو رہی ہیں۔“

”واہمہ ہے۔“ کیپٹن اشرف المحتا ہوا بولا۔

”خیر و.....!“ سلیم نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔ ”میرے ساتھ آؤ۔“ پھر وہ دونوں اس کرے میں آئے ہیے کر ٹل دفتر کے طور پر استعمال کرتا تھا۔

”بیٹھو.....!“

اشرف بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر آکتا ہٹ اور بیز اری کے ملے جلے اثرات پائے جا رہے تھے۔

سلیم نے صحیح کی ڈاک کے بذل سے ایک لفافہ نکال کر اشرف کے سامنے ڈال دیا۔

لفافہ پر سلیم کا نام اور پڑتہ تحریر تھا۔ اشرف نے اس کے اندر کا کاغذ نکالا اور پھر اپنے باپ کی طرف دیکھ کر مضمون کاندھ از میں مسکرنے لگا۔

کا گذپر کسی عجیب و غریب جانور کی تصویر بنی ہوئی تھی جس کا جسم تو سور کا ساتھا لیکن سر وہ اتنا متعجب نہیں تھا کہ اشرف اپنی بھی نہ روک سکا۔ سر کسی پرندے سے مشابہت رکھتا تھا، جسم پر اسی قسم کی دھاریاں تھیں جیسی چیزیں کے جسم پر پائی جاتی ہیں۔

تصویر کے نیچے انگریزی نام پر کے حروف میں یہ الفاظ تحریر تھے۔

”میں اس لڑکی کی درد میں ذوبی ہوئی تھیں نہ سن سکا اس لئے تم پر ہمیشہ نجومت کا سایہ رہے گا تم اور تمہارے بعد والے بھی میرے انقام کا شکار ہوں۔“

تحریر پر نظر ڈالتے ہی اشرف بخوبی ہوا بیا۔

"یہ کیا ہے؟" سلیم خود بخود بڑلا لیا۔

"یہ کس نے بھیجا ہے؟" اشرف نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" سلیم نے سر اٹھائے بغیر کہا۔ "لیکن اس بات پر بھی یقین نہیں آتا کہ کسی نے مجھ سے مذاق کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بھائی جان کو بھی مرنے سے قبل اسی قسم کی کسی بخشن سے دوچار ہونا پڑا ہو۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔" اشرف نے بے بھی سے کہا۔

"میں کہتا ہوں آخر بھائی جان اس دوران میں ہر وقت اپنے پاس بھرا ہوا ریو اور کیوں رکھتے گلے تھے۔"

"اس کے متعلق اکثر میں نے بھی سوچا ہے۔" اشرف نے کہا۔

"اور وہ بھاگ کر باہر کیوں گئے تھے اور انہوں نے کس پر فائز کیا تھا۔"

"یہ چیز بھی غور طلب ہے۔" اشرف پر تشویش انداز میں بولا۔ "غیر تو میں اس خط کو دولت نجف کے تھانے میں پہنچائے دیتا ہوں۔"

"نہیں..... میں خود ہی اسکی سے ملوں گا۔" سلیم نے اشرف کے ہاتھ سے لفاف دے کر پھر دوسرا سے خطوط کے درمیان رکھ دیا۔

"لیکن قدر یہ.....!" اشرف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"میں اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔" سلیم نے کہا۔

"آپ نصیر کے متعلق کیوں نہیں سوچتے جبکہ اس تحریر کی روشنی میں اس کی سازش کے امکانات موجود ہیں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"ابھی آپ اس کا امکان بھی خاہر کر چکے ہیں کہ پچا جان کو بھی اس قسم کا کوئی خط ملا ہو گا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ پچا جان نے کبھی اُسے عالیہ کو چھیڑنے پر لعنت ملامت کی ہو اور اسے اس پر غصہ آگیا ہو۔ اس تحریر میں بھی کسی لڑکی کا تذکرہ موجود ہے اور آپ اس جملے کا مطلب بھی بخوبی سمجھتے ہوں گے۔ یہی نواز یہاں سے کبھی کی چلی گئی ہوتی، لیکن پولیس نے ہر ایک کی نقل و حرکت پر پابندی لگادی ہے۔ وہ پچا جان کی زندگی میں یعنی جانے کے لئے تیار تھیں۔"

"خدا جانے...!" سلیم آتا کر بولا۔ "لیکن مجھے نصیر اتنا ذہین نہیں معلوم ہوتا۔ بد تمیز ضرور ہے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ وہ اتنی سی بات پر خون کر دینے پر آمادہ ہو جائے۔ عالیہ کے مسئلہ پر میں بھی دو ایک بار اسے ڈاٹ پکا ہوں۔"

"نصیر اور صرف نصیر...!" اشرف آہستہ سے بڑبڑایا۔

"لیکن پھر جو اہرات کہاں گئے۔"

"بہر حال میں بھی اس خط کو محض مذاق سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ اس کے پیچھے کوئی گہری سازش کام کر رہی ہے۔" اشرف نے کہا۔

سلیم نے میز کی وراث سے ایک روپ اور نکال کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

سلیم دن بھر آکتیا اکتیسا نظر آتا رہا۔ نصیر سب سے ناراض ہو کر پور نیکو میں ٹھیل رہا تھا۔ ڈاکٹر قدری حسب معمول کھانا کھا کر شہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد پور نیکو میں نصیر کی ماں بیگم عارف بھی دکھائی دی۔ دونوں آہستہ آہستہ کچھ باتیں کر رہے تھے۔ نصیر کی حرکات و سکنات سے غص ظاہر ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی اس کی آواز بلند بھی ہو جاتی تھی۔ بیگم عارف نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے شاید اندر لے جانا چاہا لیکن اس نے اس کا ہاتھ جھک دیا۔ پھر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اور پھولوں کی کیاریاں پھلانگا مہندی کی قد آدم بناڑ کے پیچھے غائب ہو گیا۔

بیگم عارف چند لمحے کھڑی ب سورتی رہی پھر وہ بھی اندر چلی گئی۔

گرمیوں کی دوپہر تھی۔ دھوپ میں تیزی ضرور تھی، لیکن ہو اگر م نہیں تھی۔ پھر بھی کھانا کھاچنے کے بعد وہ سب تفریباً اوگنے لگے تھے۔ ان میں سے کچھ سو گئے اور کچھ اوگنے تھے رہے۔ بیگم عارف اور بیگم نواز نصیر کے روئے پر لا جھلک کو سو گئی تھیں۔ عالیہ اپنے کمرے میں کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔

تمن بجے ڈاکٹر قدری خلاف موقع و اپس آگیا۔ نصیر تو اسی وقت سے غائب تھا اور اشرف شائد دولت سنگھ کے تھانے کی طرف نکل گیا تھا۔

چار بجے دھلتا پائیں باغ میں شور سنائی دیا۔

اور پہلی کوئی والوں کو ایک دوسرے حادثے کے لئے تیار ہو جانا پڑا۔ سلیم عقیق ابھر کی کیاریوں کے قریب پڑا کر اہر رہا تھا۔

"کیا ہوا...!" قدیر بے تحاشہ اس پر جھلتا ہوا بولا۔

"اشرف... اشرف... بیٹے۔" سلیم کرہاں انداز میں چینا۔ "وہی سور... وہی سور۔"

"کیا ہوا...!" قدیر نے اسے پھر جنگوڑا اور سلیم کی پتھراتی ہوئی آنکھوں سے نفرت جھانکنے لگی۔

"اشرف...! وہ پھر چینا۔

اسنے میں اشرف پھائک میں داخل ہوا۔ کیا ریوں کے قریب بھیڑ دیکھ کر وہ بے تحاشہ دوڑا۔

"ارے یہ کیا ہوا...؟"

"اشرف...!" سلیم پھر چینا۔ وہ اپنی ایک انگلی اس طرح دبائے ہوئے تھامیسے کاٹا گکا ہوا۔

"یہ کیا ہوا...!" اشرف اسے اخہانے کے لئے جگ کیا۔

"بیٹے...!" سلیم اشرف کی آغوش میں چینا اور ترپ کر خندنا ہو گیا۔

"ارے یہ کیا ہوا۔" اشرف لاش سمیت دھرام سے زمین پر آ رہا؟ وہ یہوش ہو چکا تھا۔

عورت میں نبڑی طرح چیز رہی تھیں۔

ڈاکٹر قدیر نے بدقت تمام یہوش اشرف کو سلیم کی لاش سے الگ کیا۔

تحوڑی دیر بعد پولیس آگئی اور اس بار خانہ تلاشی ہوئی کیونکہ ڈاکٹر قدیر نے اس موت کو بھی کسی سرلح الارث زہر کا نتیجہ قرار دے دیا تھا۔ مر نے والے کے ناخن پلے پڑ گئے تھے اور اس کے مند سے ہرے رنگ کا رتفق مادہ بہہ رہا تھا۔

ان کیا ریوں میں دیکھ بھال کرنے پر پولیس کو وہاں ایک بھرا ہوا ریو اور پڑا ملا جس سے ایک بھی گولی نہیں چلاتی تھی۔ اشرف نے اس ریو اور کی شاخت کرتے ہوئے وہ عجیب و غریب خط پولیس کے حوالے کر دیا جو آج صبح ڈاک سے اس کے باپ کو موصول ہوا تھا۔

اس دن نصیر بہت رات گئے واپس آیا اور نہ جانے کیوں وہ اس موت پر بے اختیار روپڑا۔

حالانکہ کرغل کی موت پر اس کی آنکھیں بھیگی نہیں تھیں۔

وہ جانور

صحبہ بہت خونگوار تھی، ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا۔ سرجت حمید فریدی کی کوئی خوشی کے عقاب پارک میں دونوں ہاتھ آسان کی طرف اٹھائے کر رہا تھا۔ چہرہ بھی اوپر یہ کی طرف اٹھا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ایڑیاں اٹھائے بغیر اپنا جسم آہستہ آہستہ اوپر کی طرف تان رہا ہو۔ ماتحتے کی رگیں پھول آئی تھیں اور چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ایک تھام مناسفا کس نیزیر اس کے ہدوں سے نکا ہوا ان سے اپنا جسم رکڑ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ بھونکتا ہوا اس کے گرد چکر لگا کر اس کی پتلون کا پانچھہ کھینچنے لگا۔

”ہوں۔ ہوں۔“

کتنے پھر اس کا پانچھہ کھینچا۔

”ابے ہٹ...!“ حمید بدستور ہاتھ اٹھائے بولا۔

اب کی کتنے جست لگائی اور اس کے میئے تک آگیا۔ حمید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ ”ارے.... تیری.... سوئر کے پیچے۔“ وہ جھلا کر اس کے پیچھے دوڑا۔ کتنا کوئی خوشی کی طرف بھاگ رہا تھا اور حمید اس کے پیچھے تھا۔ دھڑا فریدی نے اُسے آواز دی جو لا ببری کی کمزوری سے باہر جھانک رہا تھا۔

حمدی اس کی طرف پلٹ آیا۔

”اندر آؤ...!“ فریدی نے کہا۔

”پہلے اس کلی کے پیچے کی تانگیں توڑ دوں۔“

”کیوں خواہ خواہ اس کے پیچھے پڑے ہو۔“

”خواہ خواہ...!“ حمید بھنا کر بولا۔ ”میں ان سارے کتوں کو چن کر زہر دے دوں گا۔“

”چلو خیر! تمہیں شاید یہ بھی نہ معلوم ہو کہ کتوں کو کوشاز ہر دیا جاتا ہے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

حمدی بجنگنا تاہو والا ببری میں چلا گیا۔

”تو کیا آپ رات مجری نہیں بیٹھے رہے۔“ حمید نے فریدی کو گھورتے ہوئے کہا۔

فریدی اس وقت بھی وہی کپڑے پہنے ہوئے تھا جو اس نے چھلی رات کو پہن رکھے تھے اور میر پر کھا ہوا ایش ٹرے سگار کے جلد ہوئے نکلوں سے پہ تھا۔

”ہاں....!“

”کیوں....!“

”میں آج کل بہت پریشان ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”میں آپ کی پریشانی کی وجہ دریافت نہیں کروں گا۔“ حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

”کیوں....!“

”اس لئے کہ میں اس سے واقف ہوں۔“

”کیا....؟“

”شہر میں کسی عورت نے کوئی ایسا بچہ جن دیا ہو گا جس کے تمن سر ہوں گے۔“ حمید نے کہا۔

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

”یا پھر کوئی گدھا آدمیوں کی طرح یونے لگا ہو گا۔“ حمید پھر بولا۔

”خیر وہ تو بڑی دیر سے بول رہا ہے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

حمد کھیانے انداز میں دوسری طرف دیکھنے لگا۔

”میں اس لئے پریشان ہوں کہ تم جیسے کامل آدمی نے آج کل ورزش کیوں شروع کر دی ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”میں آج کل پہنائزم کی مشق کر رہا ہوں۔“ حمید اکٹو کر بولا۔

”اچھا جی!“ فریدی آنکھیں پھیلا کر بولا۔

”جتاب والا....!“ حمید نے قدرے جھک کر کہا۔

”بھلا یہ مشق کس قسم کی تھی، جس میں کتا تمہارا ساتھ دے رہا تھا۔“

”قوت ارادی بڑھتی ہے اس سے۔“

”وہ کس طرح۔“

”ایڑیاں اٹھائے بغیر جسم کو تانتا چلا جاتا ہوں اور یہ محسوس کرتا ہوں جیسے میں آسمان کو چھوڑ رہا ہوں۔“

"بہت اچھے۔" فریدی نہ پڑا۔

"آپ کے لئے ہر بات مسحک خیر ثابت ہو جاتی ہے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"خواہ مخواہ جنک مت مارو۔"

"میں بد دل نہیں ہو سکتا۔ اس مشق کو جاری رکھوں گا۔" حمید نے فیصلہ کرنے لجھے میں کہا۔

"کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

"کیوں....!"

"سب سے پہلے اضطراری افعال پر قابو پانا سکھو۔" فریدی نے کہا۔ "اب تکی دیکھو... خواہ مخواہ بیٹھنے دنوں ناٹکیں ہلا رہے ہو۔ اس سے فائدہ۔ جسم کی ہر وہ حرکت جس سے انرجی شائع ہوتی ہوڑا ہن کو یکسوئی نہیں دے سکتی۔ پہنazon کے لئے ذہن اور جسم کی ہم آہنگی ضروری ہے۔ تمہارا ذہن تمہارے جسم کی اس حرکت سے قطعی بے تعلق ہے، مگر میں کہتا ہوں کہ یک بیک تم پر اس کا بھوت کیوں سوار ہو گیا۔"

"آپ میری ہر بات کو خط کیوں قرار دیتے ہیں۔" حمید گلزار گیا۔

"اس لئے کہ تم کسی معاملے میں مستقل مزاج نہیں ثابت ہوئے۔"

"اس بارثابت کرد کھاؤں گا۔"

"خیر.... خیر.... تم کسی نیک ارادے کے تحت ایسا نہیں کر رہے ہو۔"

"یعنی....!"

"کسی حق نے کہہ دیا ہو گا کہ پہنائش کی آنکھوں میں بے پناہ کشش پیدا ہو جاتی ہے۔"

"یہ تو مسلم ہے۔"

"اور اسی لئے تم پر پہنazon کا خط سوار ہو رہا ہے۔ تاکہ بوز گی عورتوں کو اپنی طرف سمجھنے کیوں ہے ناہیں بات۔"

"آپ کے سر پر توہروقت غورت سوار رہتی ہے۔" حمید نے فریدی کے لجھے کی نقل اتنا رہی۔

"بہت اچھے۔" فریدی نہ پڑا۔

"میں یہ پوچھ رہا تھا کہ آخر آپ پچھلی رات سوئے کیوں نہیں۔" حمید نے کہا۔

"میں نے بیسی بتانے کے لئے تمہیں آواز دی تھی۔" فریدی بولا۔ "کل تم بیکاری کی شکایت

کر رہے تھے۔“

”آئی شامت....!“ حمید منہ بنا کر بولا۔

”ڈر نہیں۔“ فریدی نے کہا اور میز کی دراز سے کاغذ کا ایک مکڑا نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔

حمد اس کاغذ کو دیکھتے ہی پہلے توہنسا پھر اس طرح منہ بنانے لگا جیسے رو دینے کا ارادہ کر رہا ہو۔

”کیوں....؟“ فریدی نے اُسے اپنی طرف مخاطب کیا۔

”میں پہا اس لئے کہ چلو چھپا چھوٹا اور رو دیا اس لئے کہ اب چھوٹے چھوٹے بچے آپ پر پھر

چلاں گے۔“ فریدی بے اختیار مکرا پڑا۔

”میں وہ تصویر ہے۔“ حمید سنجیدگی سے بولا۔ ”جسے دیکھ کر حاتم طائی نے کہا تھا، ایک بار دیکھا

ہے دوسرا بار چشمہ لگا کر دیکھنے کی ہو سے ہے اور حاتم اس کلے کو سن کر اتنا رہا تھا کہ بھر عرب کی

ساری محضیاں درختوں پر چڑھ گئی تھیں اور پھر جب تک حمام باد گرد کا پڑھنیں لگ گیا تھا مای کیر

درختوں پر پھر چلا کر اپنی بسرواقات کرتے رہے تھے.... اور....!“

”شٹ اپ....!“

حمد منہ سکوڑ کر وہ کاغذ واپس کرنے تھی جا رہا تھا کہ رک کر پھر کچھ دیکھنے لگا۔

پھر وہ دانت پر دانت جما کر بولا۔ ”ہائے ہائے یہ کس لڑکی کی درد میں ڈوبی ہوئی چیز ہے۔“

”لوحر لاؤ۔“ فریدی نے کاغذ اسکے ہاتھ سے لے کر کھل۔ ”اب چپ چاپ یہاں سے چل دو۔“

”آخر اس ناراضی کی وجہ۔“ حمید نے مکرا کر کھل۔

”تم کسی وقت سنجیدہ نہیں رہ سکتے۔“

”تو کیا واقعی یہ سنجیدگی کا موقع تھا۔“

”بکومت....!“

”کمال کر دیا آپ نے۔“ حمید بھنا کر بولا۔ ”بے شک کارنوں دیکھا کر مجھے سنجیدہ رہنے کی

تفصیل فرماتے ہیں.... کیا صحیح۔“

”مجی ہاں.... میرا دماغ چل گیا ہے۔“ فریدی نے منہ سکوڑ کر کھل۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ دونوں ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ حمید تھوڑی دیر بعد پھر مکرا دیا۔

”اگر آپ رات بھر مصوری کی مشق کرتے رہنے کے بعد اتنی حسین تصویر بنانے میں

کامیاب ہوئے ہیں تو میں تبدیل سے آپ کی خدمت میں مبارک باد پیش کرنے کے امکانات پر غور کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔“

”یہ مذاق نہیں ہے۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

حید اس کی سنجیدگی دیکھ کر یک بیک چونک پڑا اور اس نے محسوس کیا کہ فریدی صحیح سنجیدہ ہے۔ پھر اس کی نظر جواب طلب انداز میں فریدی کے چہرے پر جنم گئی۔
”دولت گنج کی عمارت پہلی کوئی کس کے متعلق اخبار میں پکھ دیکھا تھا۔“ فریدی نے سوال کیا۔

”ہاں.... ہاں.... وہی کرع شمشاد....!“

”جی نہیں کرع جواد.... تمہاری یاد داشت ہری ماں اوس کن ہے۔“

”چلنے.... ہام سے شخصیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

”پھر پرسوں اس کا بھائی بھی پر اسرار حالات میں موت کا شکار ہو گیا۔“

”کل کے اخبار میں یہ بھی پڑھا تھا۔“ حید نے کہا۔ ”اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اپنی یہ شامت آئے گی۔ لہذا شامت آنے سے پہلے ناشت تو کر لیجئے۔“
فریدی پھر اسے گھورنے لگا۔

”اس طرح کیوں گھور رہے ہیں۔ میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔“

”تم احمق ہو۔“ فریدی نے کہا اور میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ تھوڑی دری بعد ایک فوکر آیا۔

”چائے سینیں دے جاؤ۔“ فریدی نے کہا اور فوکر چلا گیا۔

”یہ کیس دولت گنج کے تھانے سے اپنے یہاں بیٹھ دیا گیا ہے۔“ فریدی اس کا تنڈ کے گلزارے پر نظر بھاتے ہوئے بولا۔

حید کچھ نہ بولا اور کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔ سورج طلوع ہو چکا تھا اور باہر نرم زرم گھاس پر پڑے ہوئے نترنی قطروں سے کئی طرح کے رنگ جملکنے لگے تھے۔

”اور یہ خط“ فریدی حید کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”سلیم کو اسی صحیح کو موصول ہوا تھا جس دن اس کی موت واقع ہوئی۔“

”کون ساخت۔....!“ حید نے پوچھا۔

"بیکی....!" فریدی نے کانٹے کے گلزوں کی طرف اشارہ کیا۔

"تو آپ نے تفتیش شروع کر دی۔"

"ابھی نہیں.... ابھی تو میں تھا نے داروں کی روپورٹ پر غور کر رہا ہوں۔"

حید کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کرع کا کوئی فوکر بھی تو غائب ہو گیا تھا۔"

"ہاں.... اور وہ ابھی تک لاپتہ ہے۔"

"اس تصویر کے نیچے کی تحریر عجیب ہے۔" حید نے کہا۔

"اور خود اس تصویر کے متعلق کیا خیال ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"یہ تصویر۔" حید تصویر کو فریدی کے ہاتھ سے لے کر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ پھر تھوڑی دیر

تک اس پر نظر جائے رہنے کے بعد کہنے لگا۔ "میرے خیال سے یہ چیزیں سور کی تصویر ہے۔"

"کیا....؟"

"چیزیں سور۔" حید محققانہ انداز میں بولا۔ "کیونکہ سرچیا جیسا ہے جسم پر چیزیں جیسی دھاریاں ہیں اور جسم کی بناوٹ اسے سور ظاہر کرتی ہے۔ لہذا اس کا نام چیزیں سور ہے۔ ملکوں میں پہلا جاتا ہے۔ وہاں کے لوگ اس کی بہت عزت کرتے ہیں۔ اکثر پیارے خالو بھی کہتے ہیں۔ بعض محققین کی رائے ہے خالو نہیں بھالو کہتے ہیں لیکن فاہیان اسے جھمالو کہنے پر مصر ہے اور ابن بطوط نے تو خالو کہہ کر بسئلہ جان بچائی ہے لیکن اس ناجیگار یعنی حید ولد وحید ساکن پورٹ سعید کی جان پہنچتی نظر نہیں آتی۔ الاما شاء اللہ۔"

"بک پکے....!" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"یقین نہ آئے تو ہدایت نامہ خادم کا صفحہ ۲، ۳ ملاحظہ فرمائیے۔" حید اُسی مودع میں بولا۔

"تمام پرائیوریتیت حالات کھول کھول کر لکھ دیئے گئے ہیں۔ اگر قائدہ نہ ہو تو ایمان دھرم سے کہہ

دینے پر پوری رقم ہضم....!"

"اب چپ بھی رہو.... ورنہ سر توڑوں گا۔" فریدی نے کہا۔

اتے میں چائے آگئی اور حید یہ بھی بھول گیا کہ اس نے بات کہاں سے چھوڑی تھی۔

فریدی خاموشی سے ناشتے میں مشغول رہا۔ اس کے ماتھے پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں اور آنکھیں کسی

گہری سوچ کا پتہ دے رہی تھیں۔

دفعاً برآمدے میں گئی ہوئی تھی بھی۔

”شاید وہ آگئے۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”کون...!“ حمید نے پوچھا۔

”ڈاکٹر قدری... اور کیپن اشرف...!“

”کون ڈاکٹر قدری... راجروپ گروالا۔“

”نبیں کر علی جواد کا بھائی تھا۔ ہمیں روز پر جس کا دواخانہ ہے۔“

”اچھا وہ تو کئی بار کتوں کے سلسلے میں یہاں آچکا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”اور کیپن اشرف... کرتل کا بھتیجا اور وارث ہے۔ لیکن میں اس سے شخصی طور پر واقع

نبیں۔ کل رات کو ڈاکٹر قدری نے فون پر کہا تھا کہ وہ دونوں مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔“

”تو یہ کیپن اشرف شام کے اسی شخص کا بیکا بے جس کی موت کرتل کے بعد واقع ہوئی۔“ حمید

نے کہا۔

”بہت دیر میں سمجھے۔“

انتہے میں تو کر دو ملا قاتی کارڈ لے کر آیا۔

”نبیں نہیں لے آؤ۔“ فریدی نے کہا۔

تحوزی دیر بعد ڈاکٹر قدری اور کیپن اشرف لا بھری میں داخل ہوئے۔

رسی گنگلو ہونے کے بعد فریدی نے انہیں ناشتے میں شریک ہونے کی دعوت دی۔

”غائب آپ لوگ اسی کیس کے سلسلے میں تشریف لائے ہیں۔“ ڈاکٹر قدری سے فریدی نے پوچھا۔

”آپ صحیح سمجھے۔“ قدری نے کہا۔

”آپ نہ بھی آتے تو تحوزی دیر میں ہم ہی آپ تک پہنچتے۔“ فریدی نے سگار سلاکاتے

ہوئے کہا۔ ”کیونکہ کیس ہمارے گھنکے میں آگیا ہے۔“

”یہ تو بہت اچھا ہوا۔“ ڈاکٹر قدری نے کہا۔ ”ورنہ پولیس سے تو کسی قسم کی توقع نہیں۔“

”آپ کا خیال ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ورنہ اس کیس میں تو کچھ بھی نہیں رکھا ہے۔“

قدری اور اشرف چونک کر فریدی کو غور سے دیکھنے لگے۔

”کیا کر علی کو بھی اس قسم کا کوئی خط ملا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ہمیں اس کی اطلاع نہیں۔“ کیپشن اشرف نے قدری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ قدری نے سر ہلا کر اس کی تائید کی۔

”آپ کے والد کی موت کے وقت اگلے قریب کون کون تھا۔“ فریدی نے اشرف سے پوچھا۔

”ایک تو میں ہی تھا۔“ ڈاکٹر قدری نے کہا۔ ”اور تمن عورت میں، پانچ نوکر۔“

”سب یہیں موجود ہیں۔“

”جی ہاں۔“

”ان کی جیخ سن کر سب نے پہلے ان کے پاس کون پہنچا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”میں....!“ ڈاکٹر قدری نے کہا۔

”وہ غالباً اس وقت زندہ ہی تھے؟“ فریدی نے کہا۔

”جی ہاں....!“

”انہوں نے کچھ کہا تھا۔“

”کچھ نہیں.... اشرف کو پکار رہے تھے۔“

”حالت کیا تھی۔“

”انہوں نے اس طرح اپنی ایک انگلی دبا رکھی تھی جیسے کاشا لگ گیا ہو۔“

”ہوں.... اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اس موت کو بھی زہری کی وجہ قرار دیتی ہے۔“

فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”جی ہاں....!“

”اور زہر پھیلتے کا ذریعہ غالباً وہ کاشا قرار دیا گیا ہو گا۔“ فریدی نے کہا۔

”ہو سکتا ہے۔“ ڈاکٹر قدری بولا۔

”میں نے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی پڑھی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”خیر.... ہاں تو....“

اس طازمِ رفتی کے علاوہ بھی آپ کسی کو مشتبہ سمجھتے ہیں۔“

”ہمارا شہر تو اس پر بھی نہیں۔“ کیپشن اشرف نے کہا۔

پھر اس نے رفتی کے متعلق فریدی کو سب کچھ بتا دیا۔

”اچھا اس تصویر کے نیچے والی تحریر پر بھی آپ کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”قطعی نہیں....“ کیپن اشرف بولا۔ ”خود والد مر حوما سے دیکھ کر حیرت میں پڑے گئے تھے۔“

فریدی کچھ اور پوچھنے جا رہا تھا کہ دفعۂ اذکر قدیر بول پڑا۔

”نمہر ہے.... اس وقت اب ایک بات اور یاد آرہی ہے، جو میں اپنے بیان میں لکھوانا بھول گیا تھا۔“

فریدی اُسے جواب طلب نظر وہ سے دیکھنے لگا۔

”چھوٹے ما موں نے اشرف کو پکار کر یہ بھی کہا تھا.... وہی سور.... وہی سور۔“

”اوہ....!“ فریدی کچھ بے چین سانظر آنے لگا۔ یہ بہت اہم بات تھی۔“

وہ آہستہ سے بولا۔ ”کوئی اور بات۔“

”اور کچھ نہیں.... بس دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو گئے۔“

”اور ان کا پستول علیق انحر کی کیاری میں ملا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”مجی ہاں۔“

فریدی کچھ دیر سکن خاموش رہا پھر بولا۔

”بہتر ہے میں گیارہ بجے تک آپکے یہاں آؤں گا۔ گھر کے ہر فرد کی موجودگی ضروری ہے۔“

تحوڑی دیر وہ بعد دونوں انٹھ کر چلے گئے۔

”کوئی بھی کیا خیال ہے۔“ فریدی نے حید سے پوچھا۔

”آن حضرت کے بیان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مر نے والے کو وہ سور و کھائی بھی دیا تھا۔“

”معلوم تو یہی ہوتا ہے۔“

”اور آپ اس پر یقین رکھتے ہیں۔“

”میں نے یہ بھی تو نہیں کہا۔ دیے ڈاکٹر قدیر کے بیان کے انداز سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔“

”ہو گا.... لیکن میں یقین کرنے کیلئے تیار نہیں کہ اس قسم کے کسی سور کا وجود بھی ہے۔“

حید نے کہا۔

”نمیک ہے اس کی کوئی مستقل قسم نہیں ہے لیکن ایک آدھ ایسے بھی ہو سکتے ہیں۔ کیا تم نے چار آنکھوں اور تین سینگوں کے نیل نہیں دیکھے۔“

”بہت دیکھے ہیں لیکن....!“

”فکر کی بات نہیں! فی الحال اس جانور کو زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت نہیں۔“

”پھر....!“

”پھر کچھ بھی نہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اس وقت تم نے پوسٹ یاں بہت کم کھائیں۔“

گوشت میں دھواں

فریدی اور حید کنی گھنٹے سے پہلی کوئی نہیں میں چھان بیٹن کر رہے تھے۔ نصیر کے علاوہ گھر کے سارے افراد موجود تھے۔ نصیر غالباً صحیح ہی سے غائب تھا۔ فریدی نے کرع کے کاغذات بھی دیکھئے۔ اس کی خواب گاہ کا بھی جائزہ لیا۔ پھر کیپٹن اشرف نے فریدی کو بھی بتایا کہ اس نے اپنے باپ کی زبانی کر عل کے کچھ جواہرات کا مز کرہ بھی سنا تھا اور یہ بھی سنا تھا۔... کہ وہ غائب ہیں۔ اس نے بتایا کہ وہ خود اس قسم کی کسی چیز سے ذاتی طور پر واقع نہیں تھا۔

”یا انہوں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ جواہرات رکھ کر پہن پتے تھے۔“ یہ نہ چاہا۔ ”نہیں انہوں نے یہ نہیں بتا۔“

”تو پھر آپ صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ گشہ نو کرفیق کی طرف سے مخلوق ہیں۔“

”والد صاحب کا شہر اس پر نہیں تھا۔“

”یا انہوں نے کسی اور پر بھی شبہ ظاہر کیا تھا۔“ فریدی نے پوچھا اور پھر اس نے یہ محسوس کیا کہ کیپٹن اشرف کچھ لکھ کر بھاگ رہا ہے۔

”اس سوال کا جواب بہت ضروری ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”اب میں کیا بتاؤ! انہوں نے ایسی بات کہی تھی کہ یہ سمجھ لجھے....!“ کیپٹن اشرف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”کہتے کہتے۔“

”اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ وہ مجھ پر بھی شبہ کر سکتے تھے۔“

”یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔“ فریدی نے کہا۔ ”صاف صاف کہتے تا۔“

”بس سہی سمجھ لجھے۔“

”لیکن آپ کا الجھ تارہا ہے کہ یہ حقیقت نہیں ہے۔“

اشرف خاموش ہو گیا۔ وہ بے بسی سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس بات کے چھٹیڑ دینے پر پشیمان ہو۔

”دیکھئے“ فریدی نرم لمحے میں بولا۔ ”جب تک آپ لوگ صاف صاف باتیں نہ بتائیں گے میں کچھ نہ کر سکوں گا۔“

”کس طرح کہوں۔“

”وہ تو بتانا ہی پڑے گا۔“ اس بار فریدی کا الجھ قدرے درشت تھا۔

”شمیں بھائی قدیر پر شہر تھا۔“ اشرف نے آہتہ سے کہا۔

”شمیے کی وجہ بھی بتائی تھی انہوں نے۔“

اشرف نے اپنی اور اپنے والد کی وہ ساری کنٹلود ہر ادی جو اس کے مرنے سے چند گھنٹے پہلے ہوئی تھی، لیکن اس نے نسیر کے متعلق کچھ نہ کہا۔ اس نے یہ نہیں بتایا کہ خود اس کا شہر نسیر پر تھا۔ بیانات سے فرمات پانے کے بعد فریدی اور حمید پائیں باغ میں آگئے۔ وہ اسی کیاری کے قریب کھڑے ہوئے تھے جہاں سلیم مرنے سے قبل گرا تھا۔

حمدید بھی کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

”کیوں کیا کسی خاص نتیجے پر پہنچ گئے ہو۔“ فریدی نے اس سے پوچھا۔

”تجی ہاں۔“

”کیا....!“

”حسن چاہے جہاں نظر آئے قابل پرستش ہے۔“

”تو تم اتنی دیر اسی پر غور کرتے رہے۔“ فریدی نے منہ بنا کر پوچھا۔

”کیوں کیا اس پر غور کرنا جرم ہے۔“

فریدی کے چہرے سے بیزاری ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ تحوزی دیر تک کیاری کے قریب کی جھاڑیوں میں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

”عفیں بھر میں کانٹے نہیں ہوتے۔“ اس نے آہتہ سے کہا۔ ”اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کوئی ان کیاریوں میں نہیں چھپ سکتا۔ لا حالاً اسے جھاڑیوں میں چھپنا پڑا ہو گا۔“

"کے چھپنا پڑا ہو گا۔" حمید نے پوچھا۔

"وہی جس نے سلیم کی انگلی میں زہر کا انجکشن لکھا تھا۔"

"زہر کا انجکشن...!"

"اور کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ خود بخود اس کے جسم میں زہر بھیل گیا۔" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ "دولت ٹج کی پولیس نے بہت دیر کر دی۔"

"تو پھر کیپین انشرف کا شہر بھی ضرور روز رکھتا ہے۔" حمید نے کہا
"ہو سکتا ہے۔"

فریدی جہازیوں میں گھس گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک وہاں جھکا ہوا کچھ دیکھتا رہا۔ پھر باہر آگیا۔
اس کے ہاتھ میں حمید نے ایک سرخ رنگ کار دیمال دیکھا جو اس کا نہیں تھا۔
"یہ رومال...!"

"جہازیوں میں تھا۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "انشرف نے ڈاکٹر قدیر پر شبہ ظاہر کیا ہے، لیکن حقیقتاً وہ اس شخص کی طرف سے مشکوک معلوم ہوتا ہے، جس کا نام اس نے نصیر بتایا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن میں... میں تو اس بات پر غور کر رہا ہوں کہ کیا بعثت
مرنے سے پہلے اسے وہ عجیب و غریب جانور دکھائی دیا تھا۔"

"میں فی الحال اس کے متعلق کچھ نہیں سوچتا چاہتا۔" فریدی نے کہا۔ "ضروری نہیں کہ
اُسے وہ سور دکھائی دیا ہو۔"

"پھر وہ سور سور کیوں چیختا تھا۔"

"اس سے یہ تو نہیں ثابت ہوتا کہ اس نے بعثت وہ سور دیکھا ہی ہو۔ وہ اپنا جملہ نہیں پورا
کر سکتا تھا کہ اس کی جان نکل گئی تھی۔ ممکن ہے وہ کچھ اور کہتا۔"

حمدید پر خیال انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہیں یہ نہ بھولنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "کہ زہر کا انجکشن دینے میں بھی کچھ وقت لگا
ہو گا اور سلیم ان جہازیوں کے قریب ضرور آیا ہو گا اگر اسے وہ سور دکھائی دیا ہوتا تو وہ دوری سے
اس پر فائز رکھتا۔"

"پھر آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" حمید بے چینی سے بولا۔

"یہاں بھی سورز کی تصویر۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "ممکن ہے ان جہازیوں میں اسے سورز کی تصویر دکھائی دی ہو اور وہ اسے نکالنے کے لئے یہاں تک آیا ہو اور جہازی میں چھپے ہوئے کسی نامعلوم آدمی نے اسی دوران میں اس کی انگلی میں زہر کا انگلشن دے دیا ہو۔"

"آخر آپ انگلشن ہی پر کیوں زور دے رہے ہیں۔"

"وہ یوں کہ پوٹ مارٹم کی روپورٹ بھی یہی بتاتی ہے۔"

"ڈاکٹر قدری آرہا ہے۔" حمید بیک بیک آہستہ سے بولا۔

"آنے دو۔" فریدی نے لاپرواٹی سے کہا اور وہ سرخ ردمال جیب میں رکھ لیا جو اسے جہازیوں میں ملا تھا۔ ڈاکٹر قدری ان کے قریب آکر رک گیا۔

"فسیر صاحب نہیں آئے۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"اس کا کچھ غمیک نہیں معلوم کب آئے۔"

"سلیم صاحب والی پوٹ مارٹم روپورٹ کے متعلق آپ کو کوئی علم ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں وضاحت کے ساتھ مجھے کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"مثلاً زہر کا انگلشن....!" فریدی اسے پر خیال انداز میں دیکھتا ہوا بولا۔

"میں نے پہلے ہی اس کا اندازہ لگایا تھا۔" قدری نے کہا۔ "میں خود یہ جانتا ہوں کہ حقیقی البحر کے پودوں میں کائنے نہیں ہوتے۔"

"آپ کے علاوہ گھر میں کوئی اور بھی اس قسم کی رائے رکھتا ہے۔"

"کسی نے اس کا انگلشن کیا.....؟" قدری نے کہا۔

"اب ذرا مجھے یہ بتائیے کہ کرع صاحب کی لاش کہاں پائی گئی تھی۔" فریدی نے تھوڑے توقف کے بعد کہا۔

قدری ان کی رہنمائی کرنے لگا اور وہ چھانک سے نکل کر تقریباً دو تین سو گز کے فاصلے پر۔ آکھرے ہو گئے۔

"غالباً یہاں گرے تھے۔" قدری نے کہا۔

"آپ تو شاندہ اس موقع پر موجود نہیں تھے۔" فریدی بولا۔

"ہاں میں شہر میں تھا اور اس وقت واپس آیا تھا جب پولیس چھان بین کر رہی تھی۔"

"غیر...؟" فریدی نے کہا۔ "اچھا تو تموزی دیر بعد پھر میں آپ کو تکلیف دوں گا۔" اور ڈاکٹر قدری کا مطلب سمجھ کر کوئی کی طرف لوٹ گیا۔

فریدی بغور زمین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہاں بے شمار سگریزے بکھرے ہوئے تھے اور اس حصے کی سطح بھی کچھ اوپری تھی۔ فریدی نے جیب سے محبوب شیشہ نکالا اور ان سگریزوں کو اس کی مدد سے دیکھنے لگا۔ پھر سر اٹھا کر حمید سے بولا۔ "کار سے چڑے کا تمیلا اور واکنگ اسٹک نکال لاؤ۔" "کیا چہل قدمی کا ارادہ ہے۔"

"جلدی کرو۔" فریدی نے منہ بنا کر کہا۔

دھوپ تیز تھی۔ حمید طرح طرح کے منہ بناتا ہوا چل دیا۔ اس نے ابھی تک فریدی کے چہرے پر وہ آثار نہیں دیکھے تھے جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ اس کیس میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہا ہے۔ حالانکہ یہ کیس بھی نوعیت کے اعتبار سے انتہائی پر اسرار معلوم ہو رہا تھا۔

حمید نے کار سے تمیلا نکالا جو کافی وزنی معلوم ہو رہا تھا اور پھر اس کی حرمت کی کوئی انتہائی رہی جب اس نے اس میں رکھی ہوئی چیز دیکھی۔ یہ کچھ گوشت کے کنی ٹکڑے تھے۔ وہ تموزی دیر تک کمزور نہیں حرمت سے دیکھتا رہا پھر واکنگ اسٹک اٹھا کر فریدی کی طرف چل پڑا۔

"یہ پیشہ زیادہ مناسب رہتا۔" حمید اس کے آگے تمیلا دالتا ہوا بولا اور واکنگ اسٹک بھی اس کی طرف بڑھا دی۔

فریدی گوشت کا ایک ٹکڑا انکال کر اُسے واکنگ اسٹک کے سرنے پر باندھنے لگا۔

"کیا آپ بھی مداریوں کی حرکتیں کیا کرتے ہیں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"اگر مزہ نہ آئے تو پسہ واپس۔" فریدی نے کہا۔ "حالانکہ ہم یہاں بہت دیر میں پہنچے ہیں۔

لیکن دیکھو شاید ابھی کچھ مزہ باقی ہو۔"

فریدی واکنگ اسٹک کے گوشت بندھے ہوئے سرے کو آہستہ آہست قرب وجوار کی زمین پر پھیرنے لگا تھا۔

"مکاش اس وقت میرے ہاتھ میں ایک ڈگنگی اور بانسری ہوتی۔" حمید نے کہا اور فریدی نہ سپردا۔

اگر میں نہ ہوتا تو تم بھی سب کچھ کرتے ہوئے نظر آتے۔" اس نے کہا۔

حمدید بظاہر اس کا مuttleekh اڑا رہا تھا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کی حرمت بھی بڑھ رہی تھی۔ وہ اس سے قبل بھی کئی موقعوں پر فریدی کو اس سے زیادہ احترافہ حرکتیں کرتے دیکھا چکا تھا اور اس کا تجربہ شاہد تھا کہ وہ بعد کو بہت ہی تحریر خیز انعام پر ختم ہو گئی تھیں۔ حمید کے ذہن میں کئی طرح کے خیالات گردش کرتے رہے۔

فریدی نے اس دوران میں ہتھی ہوئی جگہ کا چکر لگانا۔ وہ انگل اسٹک سکریزڈ پر پھیل رہی تھی۔ دفعتاً فریدی کے من سے ایک آسودگی آمیز آواز نکلی۔ حمید چونکہ کراں کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ وہ انگل اسٹک کے گوشت لگے ہوئے ٹکڑے کو بغور دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

"لو میاں حمید.....!" اس نے وہ انگل اسٹک اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ان سکریزڈ پر نہایت لذیز قسم کا گوشت پکایا جاسکتا ہے۔"

حمدید نے گوشت کے ٹکڑے کی طرف دیکھا۔ ایک چلی ہی دھوئیں کی لکیر اس سے نکل کر نظائر میں مل کھا رہی تھیں۔

"یہ کیا.....!" حمید کی آنکھیں فرط حرمت سے پھیل گئیں۔

"مادری کے ہاتھ کی صفائی۔ اب بجاوہ گذگی۔"

"آخر یہ ہے کیا بل۔" حمید آگے جھک کر دیکھتا ہوا بولا۔

جس جگہ سے دھوائیں نکل رہا تھا وہاں اسے سفید رنگ کا ایک تھام سکریزڈ کھائی دیا۔ فریدی نے جیب سے ایک چھوٹی سی چمنی نکالی اور سکریزے کو اس سے پکڑ کر اپنے پرس میں ڈال لیا۔

"ہمیں یہاں اسی طرح کے اور بھی سکریزے تلاش کرنے ہیں۔ ورنہ پھر کسی کی جان جائے گی۔" فریدی نے کہا اور زمین پر جھک گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کی محنت کے بعد، یہ نہ دو تین ذرے اور مٹے۔

حمدید اس دوران میں اس سے بہت پچھے پوچھتا رہا۔ لیکن فریدی نے اسے کوئی تشغیل بخش جواب نہ دیا۔

تحوڑی دیر بعد وہ دونوں چلی کو مٹھی کی طرف جا رہے تھے۔

چار بج پکے تھے اور موسم بھی کچھ اعتدال پر تھا۔ پہنچنے میں شرابور کر دینے والی چیز سے نجات مل گئی تھی۔ فریدی نے حمید کو کار میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کیا اندر نہ چلنے گا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں...؟" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے ابھی ابھی ایک نئی صورت سامنے والی کھڑکی میں دیکھی تھی۔"

"یقیناً وہ کوئی عورت رہی ہو گی۔" فریدی نے لاپرواں سے کہا اور اگلی نشست پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کر دی، لیکن دوسرا سے ہی لمحے میں اسے مشین بند کردی تھی پڑی۔ ڈاکٹر قدری پور نیکو سے اسے رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ فریدی اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ڈاکٹر قدری تیز قدموں سے آتا دکھائی دیا۔

"فریدی صاحب! ایسی بھی کیا بے مردی۔" اس نے مکرا کر کہا۔ "میرے خیال سے ہمارے تعلقات نئے نہیں۔"

"قطیعی نہیں! بھلا اس کے اطمینان کیا ضرورت تھی۔" فریدی نفس کر بولا۔

"ہم نے آپ ہی لوگوں کے انتظار میں شام کی چائے نہیں پی۔" قدری نے کہا۔ "اور آپ ہیں کہ اس طرح چپ چاپ ٹلے جا رہے ہیں۔"

فریدی اور حمید کار سے اتر آئے۔

ڈرائیکٹر ہاؤس میں گھر کے سارے افراد موجود تھے۔ نصیر بھی واپس آگیا تھا۔ غالباً حمید نے اسی نئی صورت کے متعلق کہا تھا۔ نصیر کے علاوہ بقیہ لوگوں سے وہ پہلے ہی متعارف ہو چکے تھے۔ فریدی نصیر کو تھوڑی دیر ہمک محسوس نظروں سے دیکھتا رہا۔ لیکن اس سے کچھ پوچھنا نہیں۔ نہ جانے کیوں حمید اس سے چند سوالات کرنا چاہتا تھا۔ گھر والوں کے بیان کے مطابق انہیں معلوم ہوا تھا کہ نصیر سلیم کی موت پر بے تحاشہ رو دیا تھا جب کہ کرعی کی موت پر اس کے چہرے پر ٹھکن ٹکن نہ آئی تھی۔ حمید اس کے متعلق بہت کچھ سوچ رہا تھا لیکن تھوڑی دیر بعد اس نے سارے خیالات اپنے ذہن سے نکال پھیلے۔ کیونکہ عالیہ ڈاکٹر قدری سے ٹھنڈوں کرتے وقت بڑے دلاؤ زبانہ از میں مسکرا رہی تھی۔

دھلتا فریدی نے وہ روپاں نکالا جو اسے جہاڑیوں میں پر املا تھا اور اسے میز پر رکھ کر چکلی سے ملنے لگا۔ لیکن خود حمید کو بھی یہ محسوس نہ ہو سکا کہ فریدی نے یہ حرکت ارادتا کی ہے۔ بس ایسا

معلوم ہو رہا تھا جیسے باتوں کی رو میں قطبی غیر ارادی طور پر اُس سے یہ حرکت سر زد ہوئی ہو۔
کیپشن اشرف فریدی سے کہہ رہا تھا۔ ”انپرنسپل صاحب آپ مجھے مشورہ دیجئے کہ میں کیا کروں۔“
فریدی پر خیال انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”پورچ لیجئے۔“ نصیر نے فریدی کی طرف پلیٹ سر کائی اور پھر دوسرے یہ لمحے میں کچھ
چونک ساپڑا۔

”ٹھکریے.... بس میں شام کو صرف چائے پیتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔
اب حمید کو رہمال کا خیال آیا اور وہ مجسمانہ نظروں سے نصیر کو دیکھنے لگا۔
”ہاں آپ نے کیا فرمایا تھا۔“ فریدی اشرف کی طرف مخاطب ہو گیا۔
”اگر وہ پہ اسرار خط محض مذاق نہیں تھا۔“ اشرف بولا۔ ”تو پھر مجھے بھی مر نے کے لئے تیار
رہتا چاہئے۔“

”کیوں...؟“

”اس میں بعد والوں کے لئے بھی تو دھمکی تھی۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ چچا جان کو بھی
اسی قسم کا کوئی خط موصول ہوا تھا تو پھر اب میری یہی باری ہے کہونکہ ان کا ترکہ میرے والد
مر جوم سے گذرتا ہوا مجھے تک پہنچتا ہے۔“

”میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ اگر اس میں ذرہ برابر بھی صداقت ہے تو آپ کو کافی
مخاطر رہتا چاہئے۔“

”لیکن میں کس طرح فتح سکوں گا۔“ کیپشن اشرف بے چینی سے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔
”غالباً یہ رہمال میرا ہے۔“ دفاتر ایگم عارف نے کہا۔

”کیا آپ نے مجھ سے کچھ فرمایا۔“ فریدی اس کی طرف مزدرا۔
”یہ رہمال....!“

”اوہ....!“ فریدی اس طرح چونک کر رہمال کی طرف دیکھنے لگا جیسے وہ اُس کے متعلق
بھول ہی گیا ہو۔ ”جی ہاں یہ مجھے آپ کے پائیں باغ میں پڑا ملا تھا۔ کیا یہ آپ کا ہے؟“
نصیر نے ہاتھ بڑھا کر وہ رہمال فریدی سے لیا۔

”اشرف صاحب۔“ فریدی اشرف کی طرف مزدرا۔ ”اگر آپ کو بھی کبھی اس قسم کا خط

موصول ہو تو مجھے تک پہنچے میں تاخیر نہ کریجے گا۔“

”بہتر ہے۔“

”اور آپ...!“ فریدی بیگم نواز سے مخاطب ہوا۔ ”مجھے دولتِ گنج دالی روپورث سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کہیں باہر جانا چاہتی ہیں۔“

”خیال تو تھا۔“

”شوق سے جاسکتی ہیں۔“ فریدی سگارِ سلگاتا ہوا بولا۔ ”میں غیر ضروری پابندیوں کا قائل نہیں ہوں۔“

”اب میں نے خود ہی اپنا ارادہ ملتی کر دیا ہے۔“

”آپ کی خوشی۔“ فریدی نے کہا۔

نسیر عالیہ کی طرف دیکھ کر شرارت آمیز انداز میں سکرا رہا تھا۔

فریدی نے ان دونوں پر اچھتی سی نظر ڈالی اور اپنی پیالی کی چائے ختم کرنے لگا۔ پھر وہ ذاکر قدری کو مخاطب کر کے بولا۔ ”کیس بہت چیز ہے ڈاکٹر صاحب۔“

”جناب اگر چیزیں نہ سمجھتا تو آپ کے پاس کیوں دوڑا جاتا۔“ قدری نے کہا۔

”اب اس ملازمِ فعل کا معاملہ رہ جاتا ہے۔“

”مجھے تو یہ حرکت اسی کی معلوم ہوتی ہے۔“ بیگم نواز نے کہا۔

”میا آپ مجھے اس کے متعلق کچھ بتا سکیں گی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”وہ کرعی صاحب کے معاملات میں بہت زیادہ دخل تھا۔“

”خیر یہ تو کوئی بات نہ ہوئی جس نوکر پر بہت زیادہ اعتماد ہوتا ہے وہ دخل ہوئی جاتا ہے۔“

”مجھے یاد پڑتا ہے کہ حادث سے قبل والی رات کو دونوں میں کچھ بکرار ہوئی تھی۔“

”تو آپ نے یہ بات پولیس کو کیوں نہیں بتائی تھی۔“

”یعنی...!“

”دو شہروں کے ناموں پر بحث ہوتے ہوئے بکرار ہو گئی تھی اور کرعی صاحب نے اُسے

بہت بُرا بھلا کہا تھا۔“

”کون سے شہر...!“

” غالباً افریقہ کے تھے۔“

” نام...!“

” صرف ایک کایا درہ گیا ہے ممباسہ۔“

فریدی کی پیشانی پر لکھر س ابھر آئیں۔

آسمانی شکار

پیلی کوئی خنی سے واپسی پر فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔

” وہ لڑکی بڑی مصیبت میں معلوم ہوتی ہے۔“

” کون لڑکی...!“ حمید چوک کر بولا۔

” وہی جس کی مسکراہٹ تمہیں بہت بھلی لگ رہی تھی۔“

” آپ کو کیسے معلوم ہوا۔“

” اوہ ہو! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ واقعی اس کی مسکراہٹ بڑی دل فریب تھی۔“

” اے خدا...!“ حمید آسمان کی طرف منہ اٹھا کر بولا۔ ” اس پتھر کے پکٹنے پر میں تیری خدمت میں مبارک پاد پیش کرتا ہوں۔“

فریدی نے اس کے سر پر ہلکی سی چپٹ رسید کر دی اور مسکرا کر بولا۔ ” یار دل چاہتا ہے کہ میں بھی اس سے محبت شروع کر دوں۔“

” بھی کا کیا مطلب“ حمید نے کہا۔ ” آخر آپ مجھے اتنا دل پھینک کیوں کھجھتے ہیں۔“

” تم خواہ تجوہ غلط فہمی میں جاتا ہو جاتے ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ” وہ تمہوں اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خصوصاً نصیر اس معاملے میں زیادہ تا معموق معلوم ہوتا ہے۔“

” آپ نے اتنی جلدی اس کا اندازہ کیسے لگایا۔“

” اس کے لئے میرے پاس کوئی منطقی دلیل نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ” وجہ ان کی تربیت سمجھ لو۔“

” ماریے گولی۔“ حمید نے آتا کر کہا۔ ” وہ گوشت میں دھوان... آخر کچھ تو بتائیے ہے۔“

"تم نے پوست مارٹم کی رپورٹ پڑھی تھی۔"

"ہاں...!"

"کوئی خاص بات۔"

"بھی جو کچھ بھی ہو خود ہی بتاؤ لئے۔ ورنہ مجھے اختلاج ہونے لگا ہے۔"

"اچھا تو سنو۔" فریدی نے کہا۔ "کرٹل کے پیر کے تلے میں ایک زخم تھا اور وہ سنگے پر دوڑا تھا۔ پوست مارٹم کی رپورٹ میں اس زخم کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔ اُس زخم پر دھوکیں کا نشان پایا گیا تھا اور اسی اشارے نے مجھے پچھلی رات جاگ کر گزارنے پر مجبور کر دیا تھا۔"

فریدی خاموش ہو گیا اور پھر اُس نے دھنٹا اپنی کار دوبارہ چیلی کو بھی کی طرف موڑ دی۔

"یعنی...!،" حمید چونک کر بولا۔

"پچھے بھی نہیں شام بڑی خوٹگوار ہے اور میں پھر ایک بار اس لڑکی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے آوندہ بنائیے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "خیر میں فی الحال صرف ان سکریزوں میں دلچسپی لے رہا ہوں۔"

"ہاں تو وہ سکریزے۔" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ "تم نے کبھی سفید رنگ کے وہ سکریزے دیکھے ہیں جو پچھلی کے سر سے نکلتے ہیں۔"

"دیکھے ہیں۔" حمید کے لبجھ میں اکتا ہٹ تھی۔ اُسے فریدی کی پہلیاں بھجوانے والے انداز سے بڑی الجھن ہوتی تھی۔

"یہ سکریزے بھی ایک قسم کی پچھلی کے سر میں پائے جاتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"میں نے تو آج تک نہ کہیں پڑھا اور نہ کہیں سن۔" حمید بے اعتباری کے لبجھ میں بولا۔

"تم نے پڑھا ہی کیا ہے۔" فریدی نے منہ سکوڑ کر کہا۔ "زیادہ سے زیادہ تم ایشیا یا دنیا کی جغرافیائی سوسائٹیوں کی ان کتابوں کا حوالہ دو گے، جو آج سے میں برس قبل شائع ہوتی تھیں۔"

"خیر ہی سکی۔" حمید نے کہا۔ "لیکن یہ پچھلی کم از کم اپنی طرف تو پائی نہ جاتی ہو گی۔"

"بہت کیا ہے۔ اپنی طرف تو خیر پائی ہی نہیں جاتی۔ ابھی چند ایک دریائے کا گلو اور دریائے آمیز نہ ملی ہیں۔ لیکن کا گلو کے جنگلات کے وشی باشد۔ اُسے عرصہ سے بطور زہرا استعمال کرتے آئے ہیں۔ وہ اپنے تیروں اور نیزوں کو اس کے خون میں بجا کر زہرا بناتے ہیں۔"

”آپ کو اس کے متعلق کہاں سے اطلاعات ملیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے محض پرانا ذخیرہ کافی نہیں ہوتا۔ میں نے اس پھٹلی کے متعلق عالمی جغرافیائی سوسائٹی کے ایک سہ ماہی رسانے میں پڑھا تھا اور پھٹلی رات کو اسے ٹالش کرنے میں میرے کئی گھنٹے صرف ہو گئے۔“
اس پھٹلی کا نام کیا ہے۔“

”جغرافیائی سوسائٹی نے اسے (Poisonia) پُرانو نیا کا نام دیا ہے۔ کامگوئیں والے اسے فلاہی کہتے ہیں۔ دریائے آمزون کے کنارے بننے والے جنگلی قبائل میں یہ دلاچا کے نام سے مشہور ہے۔“

”لیکن یہ بیک آپ کا ذہن اس پھٹلی کی طرف کیوں منتقل ہو گیا تھا۔“ حمید نے پوچھا۔
”کرعل کے زخم پر پائے جانے والے دھوئیں کے نشان نے میری رہنمائی کی تھی۔ ان سکریزوں کا اثر آنکھاپورے جسم میں پھیل جاتا ہے، لیکن یہ صرف کھال اترے ہوئے گوشت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر تم اس سکریزے کو چکلی میں پکڑ لو تو کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہو گا لیکن اگر تمہاری انگلی میں خفیف سا بھی زخم ہے تو سکریزے لگتے ہی اس میں سے دھواں نکلنے لگے گا اور دیکھتے دیکھتے تمہاری نامعلوم یہوی یہودہ ہو جائے گی۔ ہاں تو میں یہ بھی جانتا تھا کہ کرعل نے اپنی زندگی کا کچھ حصہ افریقہ اور جنوبی امریکہ میں بھی گذر رہے تھے نواز نے کیا کہا تھا۔“
”میں نے کچھ نہیں ساختا۔“

”تمیک ہے تم اس وقت اس لڑکی میں دلچسپی لے رہے تھے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”رفق اور کرعل میں افریقہ کے دو شہروں کے ناموں کے سلسلے میں بحث ہو گئی تھی اور کرعل نے اسے سخت و سست بھی کہا تھا۔“

”بھلا اس سے اور آپ کی باتوں سے کیا مطلب۔“

”مطلوب یہ کہ رفیق بھی شاید اس زمانے میں اسی کے ساتھ تھا، جب اس کا قیام افریقہ میں تھا۔“

”اور آپ اب اس وقت ان لوگوں سے بھی دریافت کرنے کیلئے پھر واپس جا رہے ہیں۔“

”نہیں میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اس لڑکی سے باقاعدہ طور پر عشق کرنے لگو۔“

”میں آج کل بہت مشغول ہوں۔“ حمید نے منہ سکوڑ کر کہا۔

اور فریدی مسکرانے لگا۔

سورج غروب ہونے والا تھا۔

فریدی کی کار چیلی کو نئی کے چھانک پر رک گئی۔ فریدی اور حمید اندر جانے لگے۔ چھانک سے کچھ دور ہٹ کر لام پر نصیر اور کیپن اشرف نظر آئے، جو اوپنجی آواز میں جھکڑ رہے تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر یک بیک خاموش ہو گئے۔ ان کے پھرے سرخ ہو رہے تھے۔

”معاف کیجئے گا میں نے پھر تکلیف دی۔“ فریدی نے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔“ کیپن اشرف نے شدید غصہ کے باوجود بھی مسکرانے کی کوشش کی اور اس کا چھرہ کچھ عجیب سامعلوم ہونے لگا۔

”میں ڈاکٹر قدری سے پھر ملتا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”بہتر ہے۔ میں ابھی بھیجا ہوں۔“ کیپن اشرف نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

نصیر تھوڑی دیر تک ان دونوں کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ وہ ردمال آپ کو کس جگہ ملا تھا۔“

”جی ہاں! کیوں نہیں۔ وہ انہیں جھاڑیوں میں ملا تھا جن میں سلیم صاحب کو وہ عجیب و غریب سورہ دکھائی دیا تھا۔“

”یہ ردمال پچھلے ایک ہفتے سے میرے پاس رہا ہے۔“ نصیر نے کہا۔

”لیکن آپکی والدہ... خیر یہ کوئی الکی بات نہیں، جس سے مجھے دچکپی ہو سکے۔“ فریدی بولا۔

”لیکن اس گھر کا کوئی فرد آپ کو دچکپی لینے پر مجبور کرے گا۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”ان میں سے کوئی مجھے ان معاملات میں الجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔“

”آخر کیوں؟“

”وہ سب مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔“ نصیر نے مجنونانہ انداز میں کہا۔ ”اور ان دونوں موتوں کو میرے سر تھوپنا چاہتے ہیں۔“

”نفرت کی وجہ۔“

نصیر اس طرح گھورنے لگا جیسے اس نے اُسے گالی دے دی ہو۔

”نہیں سے پوچھئے نفرت کی وجہ۔ لیکن میں اس وقت تک اس گھر سے نہیں جاؤں گا جب تک کہ عالیہ نہ چلی جائے۔“

”آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”میا ان لوگوں نے آپ کو میرے متعلق کچھ نہیں بتایا۔“ نصیر نے پوچھا۔

”میں صرف اتنا ہی جانتا ہوں کہ آپ شہر کے مشہور پیر شمسُ عارف کے صاحبزادے ہیں۔“ اور ایک آوارہ لڑکا بھی۔ ”نصیر من بناؤ کر بولا۔

”یہ آپ کا کنجی معاملہ ہے۔“

”میا اشرف نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ میں شراب کے نشے میں عالیہ کو چھیڑتا ہوں اور محض اس بیان پر میں نے کرع صاحب کو پر اسرار طریقے پر مارڈا لکہ انہوں نے ایک بار میری اس حرکت پر ڈاٹا تھا اور سلیم باموں کو اس لئے ختم کر دیا کہ وہ بھی اسے ناپسند کرتے تھے۔“

”نہیں! مجھے کسی نے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔“ فریدی نے کہا۔ ”میا کوئی فرد کھلم کھلا یہ ساری باتیں کہہ رہا ہے۔“

”اشرف کی باتوں سے میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔“ نصیر بولا۔

”نہیں وہ صاف صاف اپنے شے کا اظہار نہیں کر رہے ہیں۔“

”نہیں.... لیکن....!“

”میں سمجھتا ہوں۔“ فریدی با تھجھ اٹھا کر بولا۔

”سامنے ڈاکٹر قدری آتا ہوا دکھائی دیا۔ نصیر خاموش ہو گیا۔“

”اچھا مسٹر نصیر پھر بھی.... میں آپ کا شکر گزار ہوں۔“ فریدی نے کہا اور ڈاکٹر قدری کی طرف بڑھ گیا۔

”ووبارہ تکلیف دتی کی معافی چاہتا ہوں۔“ فریدی بولا۔

”اوہ آپ بھی کمال کرتے ہیں۔“ قدری نہ کر بولا۔ ”فرما یئے۔“

”ایک ضروری بات۔“ فریدی نے کہا اور پھر وہ تینوں ٹھلتے ہوئے چاٹک تک آئے۔ اس دوران میں ڈاکٹر قدری استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔

”کیا رفتیں اس دوران میں کرع کے ساتھ ہی تھا جب وہ استوائی خطوں کا سفر کر رہے

تھے۔ ”فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں۔“

”اور وہی ان کی چیزوں کی دیکھ بھال بھی کرتا تھا۔“

”جی ہاں۔“

”ڈاکٹر قدری کیا آپ بتاتے ہیں کہ آپ کا پہلے ہی سے پروگرام تھا کہ صح کے گئے شام کو واپس آئیں گے۔“

”جب کی بات کر رہے ہیں۔“

”جس دن کر عل صاحب کو حادثہ پیش آیا تھا۔“

”ہاں میر ایسی پروگرام تھا۔“ قدری نے کہا۔ ”کر عل صاحب کو اس کی اطلاع نہیں تھی۔“

”کیوں؟“

”ماگر انہیں معلوم ہو جاتا تو وہ مجھے ہرگز نہ جانے دیتے۔ یہ تو آپ نے بھی سناؤ گا کہ وہ کچھ جمل حضرتے آدمی تھے۔“

”آس ۵۔ طلب یہ ہے۔ عل صاحب کے علاوہ گھر کے سب افراد کو آپ کے پروگرام کا علم تھا۔“

”جی ہاں!“ قدری نے کہا پھر چونکہ کربولا۔ ”میا آپ گھری کے کسی فرد پر شبہ کر رہے ہیں۔“

”نہیں نہیں!“ فریدی نے جلدی سے کہا۔ ”گھر والوں کی معلومات سے کوئی باہری بھی تو فائدہ اٹھا سکتا ہے۔“

تحوزی دیر ٹک خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ ”اچھا ایک بار پھر اس تکلیف دی کی معافی چاہتا ہوں۔“

”کوئی بات نہیں۔“

حیدر دل میں جھنجوار بات تھا کہ آخر اتنی ذرا سی بات کے لئے دوبارہ واپس آنے کی کیا ضرورت تھی۔

فریدی قدری سے معافی کر کے جانے کے لئے مڑھی رہا تھا کہ دھنکائی پر منے ان پر اگرے اور پھر زمین پر گر کر پھر پھڑانے لگے۔ فریدی چونکہ کراپر دیکھنے لگا۔

وہ حند میں لپٹی ہوئی فضا میں بگلوں کی ایک قطار پر واڑ کر رہی تھی۔ ان میں سے کچھ اور بھی فلاپازیاں کھاتے ہوئے نیچے آ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھی ان کے قریب آگئے۔ وہ تھوڑی دیر تک تراپتے رہے اور پھر خندے ہو گئے۔

فریدی استفہامی نظر وہن سے ڈاکٹر قدری کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”کل شام کو بھی بھی ہوا تھا۔“ ڈاکٹر قدری آہستہ سے بڑا بولایا۔

”کیا مطلب....!“ فریدی چونک کر بولا۔

”کل شام کو بھی کچھ پرندے اسی طرح یہاں گرے تھے۔“

”یہاں کے علاوہ بھی کہیں سے اس حتم کی کوئی اطلاع آئی تھی۔“ حمید نے پوچھا۔

”میری دامت میں تو نہیں آئی تھی۔“

”فریدی قطبی خاموش رہا۔ اس نے جنک کر ایک مردہ پر نہ اٹھایا اور اسے ہاتھ میں لکائے ہوئے کار کی طرف بڑھنے لگا۔

کیپٹن اشرف اور عالیہ بھی آگئے۔

”کبے انسپکٹر صاحب چل دیئے۔“ اشرف نے کہا اور پھر اس نے ظم فیڈی سے ہاتھ میں لکائے ہوئے پرندے پر پڑی۔ زمین پر پڑے ہوئے مردہ پرندے بھی دکھانی دیئے۔ ”اے آج پھر.... وہ چونک کر بولا۔“ پتہ نہیں یہ سب کیا ہے۔“

”میرے خیال سے۔“ فریدی نے کہا۔ ”کوئی وبا آنے والی ہے۔ کیوں ڈاکٹر۔“

”اگر یہ بات ہوتی تو کہیں اور بھی گرتے۔“ اشرف نے کہا۔

”ہو سکتا ہے کہ کہیں اور بھی گریں۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا اور مصائب کے لئے ہاتھ بڑھا دیا اور حمید بے تعلقی سے الگ کھڑا رہا، لیکن جب اس نے دیکھا کہ عالیہ بھی فریدی سے ہاتھ ملا رہی ہے تو اس نے بھی آگے بڑھ کر پر جوش انداز میں ڈاکٹر قدری سے مصافحہ کیا۔ پھر اشرف سے پھر وہ عالیہ کی طرف بڑھتی رہا تھا کہ اُسے بیگم نواز نے پور نیکو سے آواز دی اور وہ حمید کی طرف دھیان دیئے بغیر اونھر چل دی۔ حمید نہی طرح جھینپا اور بوكھلاہٹ میں پھر ڈاکٹر قدری سے مصافحہ کرنے لگا۔ جب اس حماقت کا احساس ہوا تو مسکرا کر بولا۔ ”قدیر صاحب اب تو آپ نے آنا ہی چھوڑ دیا۔ کبھی آئیے۔ دو چار بالکل نئی حتم کے کتے آئے ہیں۔ آپ اس فاکس نے یہ کو یقیناً پسند

کریں گے جس کے جسم پر گلہریوں کی سی دھاریاں ہیں۔“

”ضرور آؤں گا۔“ قدر بولا۔

فریدی نے مردہ پرندے کو چھپلی نشت پر ڈال دیا اور کار اسٹارٹ کرنے لگا۔

”اکو کہیں کے۔“ وہ آہستہ سے بولا۔ ”لیکن مجھے تم سے ہمدردی ہے۔“

حید جیپ پر کر دوسرا طرف دیکھنے لگا۔

”یہ پرندے...!“ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

”تر مگنے بچارے۔“ فریدی گلوکیر آواز میں بولا۔ ”اور تمہیں اکیلا چھوڑ گئے۔ اس پر سے یہ

تم کہ عالیہ...!“

فریدی نے جملہ پورا بھی نہیں کیا تھا کہ حید بلا چانے والے انداز میں ہٹنے لگا۔ فریدی پھر کچھ نہیں بولا۔ اس کے چہرے پر فکر مندی کے آثار تھے۔

حید بھی خاموش ہو گیا۔ یہ کیس کچھ عجیب نہ اسرار صورت میں ان کے پاس آیا تھا۔ حید سوچ رہا تھا کہ کیا ان پرندوں کی موت کا بھی انہیں حادثات سے کوئی تعلق ہے، جو بیلی کو خی و لاوں کو پیش آئے۔

مگر پہنچ کر فریدی نے مردہ پرندے کو اٹھانے کے لئے چھپلی نشت پر ہاتھ ڈالا۔ مگر وہ خالی معلوم ہوئی۔ اس نے چونک کر اندر کا بلب روشن کر دیا۔ مردہ پرندے کا کہیں پیدا نہ تھا۔ اور وہ دونوں حیرت کے عالم میں ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔

مشتبہ نوکر

دوسرے روز کے اخبارات میں حید نے بیلی کو خی کے متعلق بڑی جیرت انگریز باتیں دیکھیں۔ سارے واقعات کو بہت بڑھا چڑھا کر لکھا گیا تھا۔ اس عجیب و غریب جانور کے متعلق بھی کافی حاشیہ آرائیاں ہوئی تھیں۔ ایک نے تو یہاں تک لکھ دیا تھا کہ وہ جانور بارہ بجے رات سے پانچ بجے صح بیک کو خی کے پھاٹک پر بیٹھا رہتا تھا۔ ایک اخبار نے اس خبر پر ”مردہ پرندوں کی بارش“ کی سرخی جھائی تھی اور خبر میں لکھا تھا کہ بیلی کو خی میں چھپلی رات شام کو آسمان سے اتنے

مردہ پر نمے گئے کہ پائیں باعث میں ٹل رکھنے کی بھی جگہ نہ رہی۔

حید نے سارے اخبارات فریدی کے سامنے رکھ دیئے اور وہ بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

”بھی اپنے بیہاں کی صحفت انہیں عجوں کی بناء پر قائم ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”میا تمہیں وہ واقعہ یاد نہیں جب بلیا اور غازی پور کی سرحد پر پانچ چھ ہزار مردہ سانپ پائے گئے تھے۔“

”نہیں۔“

”وہ بڑا دلچسپ واقعہ تھا۔ ایک دن اخبارات میں خبر شائع ہوتی کہ بلیا اور غازی پور کی سرحد پر ہزاروں مردہ سانپ پائے گئے ہیں۔ دوسرا دن ایک اخبار نے لکھا کہ یہ ہندوستان کی تاریخ میں دوسر اواقد ہے۔ مہا بھارت کے موقعے پر بھی اسی طرح ایک جگل میں لاکھوں مرے ہوئے سانپ پائے گئے تھے۔ کافی عرصہ تک اسی موضوع پر طرح طرح کی خیال آرائیاں ہوتی رہیں۔ پھر ایک دن ایک صاحب کا بیان شائع ہوا۔ وہ دراصل سانپ کی کھاؤں کے انجینت تھے۔ اتفاق سے انہیں ایک ساتھ پچیس تیس سانپ مل گئے تھے۔ انہوں نے ان کی کھالیں اتر والیں اور انہیں شاہراہ پر پھینکا دیا اور پھر وہ پچیس تیس سانپ لاکھوں میں تبدیل ہو گئے اور ان کا ناط مہا بھارت سے جوڑ دیا گیا۔“

”تمیک ہے۔“ حید پر خیال انداز میں بولا۔ ”میں بھی اسے غپ سمجھتا ہوں۔ اگر اس قسم کی کوئی بات ہوتی تو وہ لوگ آپ کو ضرور مطلع کرتے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ جتنی بھی حقیقت ہے حیرت انگیز ہے اور اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ آپ ایسے عجیب و غریب کیس میں دلچسپی نہیں لے رہے ہیں۔“

”اے بھی سچ میری دلچسپی کی کوئی بات وقوع پذیر نہیں ہوتی۔“

”یعنی جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ غیر دلچسپ ہے۔“

”تم جیسی بچوں کے لئے تو ضرور دلچسپ ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اس قسم کی ہاتھ کی صفائیاں میں نے بہت دیکھی ہیں۔ دیکھو مہاں یہ عام لوگوں کو اکو بنانے کا ایک ستار سانسخہ ہے۔“

”آخر آپ کسی نتیجے پر پہنچا یا نہیں۔“

”میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عالیہ واقعی بہت حسین ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اس میں

تین تو کیا بیک وقت دس آدمی بھی دچپی لیں تو مجھے حیرت نہ ہو گی۔“

حید مٹھکر خیز انداز میں فریدی کی طرف دیکھتا رہا بھر بولا۔

”آج کل خالص سمجھی بھی نہیں ملتا ورنہ میں چار غضروں جلا تا۔ خدا بڑی قدرت والا ہے۔ اگر چاہے تو ریت کے باول بن کر ان سے پانی بر سائے۔“

فریدی کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ دوسرے کمرے میں نیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے حید کو اشارہ کیا اور وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

”ڈاکٹر قدیر کافون تھا۔“ حید نے واپس آ کر کہا۔
”میں کہہ رہا تھا۔“

”پیلی کو سمجھی کے قریب لوگ جو ق در جو ق جمع ہو رہے ہیں اور قدری وغیرہ انہیں یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اخبارات نے غلط خبریں چھاپی ہیں لیکن جمع کسی طرح ہتھی نہیں، مجبور آنہوں نے دولت ٹنچ کے تھانے سے پولیس بلوائی ہے۔“

”اور وہ تنہامنا سا پچھے اپنے کار ناموں پر خوش ہو رہا ہو گا۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔
”کون....!“ حید چوک ہے۔

”یہ میں ابھی نہیں جانتا۔ نہیں ۰۰ بچ ہے۔ انتہائی ناجرب کار اور جلد باز۔ کرع کو تو اس نے بڑے سلیقے سے ختم کیا۔ لیکن سلیم کے سلے میں اس سے ناجرب کاری ہی ولی حرکت سرزد ہوئی ہے۔“
”یعنی....!“

”اے کوئی اسی جگہ منتخب کرنی چاہئے تھی، جہاں کائنے ہوتے۔ اس طرح وہ آسانی لوگوں کو دھوکا دے سکتا تھا۔ عقیق بحر میں تو خیر کائنے ہوتے ہی نہیں اور اس جہاڑی میں بھی کوئی کائنے دار پودا نہیں دکھائی دیتا۔“

حید خاموش ہو گیا لیکن پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”سبھی میں نہیں آتا کہ آخر وہ پرندہ کار سے کس طرح غائب ہو گیا۔“

”بھوت رہا ہو گا۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔

”آخر آپ مجھ سے صاف صاف کیوں نہیں بتاتے۔“

”جب خود میری سمجھ میں صاف صاف آجائے گا تو میں اس سے بھی زیادہ صاف بن کر پیش

کر دوں گا۔ ”

”میرا خیال ہے کہ آپ انہیں لوگوں میں سے کسی پر شبہ کر رہے ہیں۔“ حمید نے کہا۔
”لیکن تم ایسا کہتے وقت شاید بھول جاتے ہو کہ کرع کا ایک نوکر بھی غائب ہے۔“ فریدی
مسکرا کر بولا۔

”میں اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔“ حمید نے فریدی کے لمحے کی نقل اتاری۔
”کیوں؟“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”آپ بھی ایک کامیاب جاسوس نہیں ہو سکتے۔“ حمید نے پھر فریدی کی نقل کی۔
”بھلا پیرو درشد کیوں۔“ فریدی نے ہنس کر پوچھا۔

”ظاہر ہے کہ رفیق نے کرع کو ہیروں کے لئے مارا ہوا گا، اور وہ انہیں لے بھی گیا۔ پھر آخر
سلیم کو مارنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر اسے یہ خیال تھا کہ سلیم کچھ جانتا ہے تو اسے بھی کرع
کے بعد ہی ختم کر دیتا۔ دو تین دن انتقال نہ کرتا اور پھر دوسری بات یہ کہ جب اس نے کرع کو
انتہی نہ اسرا ر طریقے پر ختم کیا تھا تو غائب کیوں ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ اس نے اپنی بچت ہی کے لئے
اتفاقیہ حارست اختیار کیا۔“

”شلباش....!“ فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔ ”واقعی تم نزے بدھوی نہیں ہو۔“

”جناب والا! اگر میں نہ ہوتا تو کوئی آپ کا نام تک نہ جانتا۔“

فریدی بہتے لگا۔ ٹلی فون کی سخنی پھر بجی۔

”کیا مصیبت ہے۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔ —

اب کی باروہ والی اس کی آنکھوں میں عجیب سی چک تھی۔

”کیوں؟“ فریدی اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”رفیق مل گیا۔“

”ہوں....!“ فریدی نے اتنی لاپرواں سے کہا کہ حمید چھنجلا گیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ فریدی اچھل

پڑے گا۔

”دولت گنج کے پولیس اسٹیشن پر آپ کو بلا یا گیا ہے۔“

”خیر بھی چلیں گے۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”ناشر۔“

”آخر آپ اتنی لاپرواں کیوں برتر ہے ہیں۔“

”حید صاحب۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”بھی بھی میرا دل چاہتا ہے کہ کامل ہو جاؤں۔“

”تو آج کل آپ مودہ میں نہیں ہیں۔“

”ابھی تک کوئی لکھی بات نہیں ہوئی، جو مجھے مودہ میں لاسکے۔“

”نیک ہے۔“ حید من سکوڑ کر بولا۔ ”بھلامردہ پرندوں کی بارش سے کیا ہوتا ہے۔ اگر ہاتھیوں کی بارش ہوتی تو کوئی بات بھی نہیں۔“

فریدی خسپڑا۔

”بھی اُسے تو میں ابھی تک بھی نہیں سمجھ سکا۔“ فریدی بولا۔ ”لیکن حید صاحب اس بار آپ بہت چاک و چوبند نظر آ رہے ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔“

”کیسی ہی ایسا ہے۔“

”لیکن اس بار تو تم نے ایک مرتبہ بھی بھوتاں کا خوف نہیں ظاہر کیا۔ حالانکہ آسمان سے مردہ پرندوں کی بارش بھی ہوری ہے اور وہ بھی صرف پہلی کوئی ہی میں ورنہ اُسے کسی حرم کی وبا بھی سمجھا سکتا تھا۔“

”میا آپ مجھے ڈرپوک سمجھتے ہیں۔“ حید اکٹھ کر بولا۔

”لیکن حید صاحب اب آپ عالیہ تک نہیں پہنچ سکتے گے۔“

”آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں کہ میں ہی اس کے حسن کی تعریف میں زمین و آسمان کے طلاقے طلاقاً رہا ہوں۔“

”حید صاحب بکواس بند۔ اب ہم ناشت کریں گے۔“

”ضرور ناشت کیجئے۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے بلکہ میں تو یہ رائے دوں گا کہ ایک داشتہ اور ایک باقاعدہ بیوی کیجئے۔“

”شٹ اپ....!“

”اے ہے۔“ حید مسکرا کر بولا۔ ”بیوی کے نام سے اس طرح لجاتے ہیں، جیسے ابھی چلو ہو۔“

”کہہ کر آنچل سے من چھپا لیں گے۔“

”یار خدا کے لئے زخوں کی طرح مذاکامت کر، ورنہ کسی دن چجزی او حیزروں گا۔“

"اچھا اچھا جلدی کجھے۔" حمید نے پھر فریدی کے لبھ کی نقل اتادی۔

ہاشت کرنے کے بعد وہ دولت ٹنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔ فریدی راستے میں خاموش ہی رہا۔ حمید نے کئی بار اسے چھیڑنے کی کوشش کی لیکن وہ صرف مسکرا کر رہا گیا۔ اس کی نظریں وہ اسکرین پر جھی ہوتی تھیں اور وہ پلکیں جھپکائے بغیر سامنے دکھے رہا تھا۔

رفیق کو بھی تک حوالات میں نہیں بند کیا گیا تھا۔ وہ سب انپکٹر کی کریب زانوؤں میں سرد یئے زمین پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر قدری اور کیپٹن اشرف بھی موجود تھے۔ شاید وہ رفتق کی شناخت کے لئے بلاعے گئے تھے۔ فریدی کے پہنچتے ہی ڈاکٹر قدری نے ان لوگوں کی عکیلات شروع کر دیں، جو ہمیں کوئی کے گرد تجمع ہو گئے تھے۔

"کہاں ملا.....!" فریدی نے سب انپکٹر سے سوال کیا۔

"بہت خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔" سب انپکٹر نے آہستہ سے کہا اور حمید کو بے اختیار ہنسی آئندی کیوں نکلے اس کے سامنے ایک ایسا بوڑھا بیٹھا ہوا تھا جو شاید اس وقت دو قدم بھی نہ چل سکتا۔ رفتق ایک نحیف الجثہ آدمی تھا۔ چہرے پر منحصری فرنچ کٹ ڈاڑھی تھی۔ گال اندر کو دھنے ہوئے اور جھریلوں سے پر تھے۔ آنکھوں میں کبر سنی کی وجہ سے دھند ہلاہٹ آئندی تھی۔

"اب خود ہی سن لجھے گا وہ داستان الف لسلی۔ میں کیا بتاؤں۔" سب انپکٹر فریدی سے کہہ رہا تھا۔

فریدی تھوڑی دیر تک غور سے رفتق کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اس پر سوالات کی بوجھاڑ کر دی اور جب وہ اس کی روپوٹی کی وجہ دریافت کرنے لگا تو رفتق بے اختیار روپڑا۔ "میں ایک اندر ہے کنوئیں میں قید تھا۔" اس نے کہا۔

سب انپکٹر کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کس نے قید کیا تھا۔"

"یہ میں نہیں جانتا۔ میں کریم صاحب کے بیچھے دوڑا تھا۔ کسی نے میرے سر پر کوئی وزنی چیز ماری اور میں.... پھر جب مجھے ہوش آیا تو میں نے خود کو ایک گڑھے میں پالا۔ دوسرے دن صح رہ شی میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک کنواں ہے۔"

"پھر تم کس طرح نکل۔"

"کل رات میری جنگی و پکار سن کر کسی را گیر نے نکالا۔"

"کس طرح نکالا۔"

"رسی جنگی تھی اُس نے جسے میں نے اپنی کمر سے باندھ لیا تھا۔ پھر اُس نے مجھے اور سمجھ لیا۔"

"وہ کنوں دکھائتے ہو۔"

"جنی ہاں.... وہ چیلی کو جنگی سے زیادہ دور نہیں۔"

"کیوں صاحب۔" فریدی ذاکر قدر یہ کی طرف مڑا۔ "کوئی انہ حاکنوں ہے وہاں۔"

"مجھے تو علم نہیں۔"

"مجھے خود بھی نہیں معلوم تھا۔" رفیق بولا۔ "وہ جہاڑیوں میں چھپا ہوا ہے۔ اتنی گنجان

جمہاڑیاں کہ خدا کی پناہ اور کائنے دار جہاڑیاں ہیں۔ اس لئے اُوہ رجھانے کی کوئی ہمت ہی نہیں کرتا۔"

"تو کیا تم نے کل رات ہی کو غل چایا تھا۔"

"چیختے چیختے میری آواز بینجھنگی ہے۔ کیا آپ محسوس نہیں کر رہے ہیں۔"

"تو تمہیں کل رات کو اس کنوں میں سے نکلا گیا۔"

"جنی ہاں۔"

"تو تم رات ہی کیوں نہیں حاضر ہوئے۔"

"یہ داروغہ جنی سے پوچھئے کہ میں یہاں کس حال میں لا گیا ہوں۔"

فریدی کے استفسار پر سب اسکر نے بتایا کہ وہ آج صبح ایک کھیت میں بیہوش پڑا پیا گیا تھا۔

"اس راہ گیر نے تمہیں کھیت میں ڈال دیا تھا۔" فریدی نے رفیق سے پوچھا۔

"جنی ہاں! لیکن میں صحیح طور پر نہیں کہہ سکتا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ مجھے کسی نے رسی کی مدد سے نکلا تھا۔"

فریدی خاموشی سے اس کی دھنڈائی ہوئی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"مجھے حرمت ہے کہ تم اس عمر میں اتنے دنوں تک بغیر کھائے چیز زندہ کو گزر رہے۔"

رفیق نے فور آئی جواب نہیں دیا۔ انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پھکچا رہا ہے۔

"کیا اسے کرع اور سلیم کی موت کا علم ہو چکا ہے۔" فریدی نے آہستہ سے سب اسکر سے

پوچھا۔

"ہاں...!"

"خیر... حالانکہ ایسا نہ ہونا چاہئے تھا۔" فریدی نے کہا اور پھر رفتق سے مخاطب ہو گیا۔
"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"میا بتاؤں...!" رفتق خیف آواز میں بولا۔ "اب جب کہ مجھ پر کرٹل صاحب اور ان کے
بھائی کو مارنا نے کاشہ کیا جا رہا ہے میری ہر بات سے مکاری ظاہر ہو گی۔"
"آن کا فیصلہ تم عدالت پر چھوڑ دو۔" فریدی نرم لبجے میں بولا۔ "تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو بے
تکلف کرو۔"

"اس کنوئیں میں روزانہ حلوہ پچینکا جاتا تھا اور پانی سے بھری ہوئی بوٹلیں بھی۔"
"یکھا آپ نے۔" اس نے فریدی سے کہا۔ "میں نہ کہتا تھا کہ یہ الف لیلی کی ایک داستان
نہیں۔"

"حضور آپ اس کنوئیں میں اب بھی خالی بوٹلیں اور وہ رومال دیکھ سکتے ہیں جن میں باندھ
کر حلوہ پچینکا جاتا تھا۔ میں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ آپ یقین نہ کریں گے۔ کوئی بھی یقین نہیں
کر سکے گا۔" رفتق بھرا تی ہوئی آواز میں بولا۔

فریدی تھوڑی دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"مجھے یقین ہے.... خیر... ہاں تو تمہارے مالک نگے پاؤں بھاگے کیوں تھے اور انہوں نے
فارز کس پر کیا تھا۔"

"ہونہے....!" رفتق ایک زہریلی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "اب آپ مجھ سے وہ بات پوچھ رہے
ہیں جس کے انتہا پر شاید پاگل خانے بیجوادیا جاؤں۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر حمید سے بولا۔ "آؤ چلیں! ہمیں وہ کنوں بھی دیکھنا
ہے۔" پھر رفتق سے کہنے لگا۔ "تم بھی چلو۔"

فریدی نے سہارا دے کر اسے اٹھالا۔

"کوئی آدمی ساتھ کر دوں۔" سب اسکرٹ نے پوچھا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "میں ابھی اسے واپس لاتا ہوں۔"

پھر اس نے ڈاکٹر قدیر کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔

”ڈاکٹر صاحب! آپ اس کی حفاظت لے رہے ہیں۔ بورڈھا آدمی ہے۔ حوالات میں مر جائے گا۔“ فریدی نے کہا۔

”تو کیا واقعی آپ اسے بے گناہ سمجھتے ہیں۔“ قدری کے لمحہ میں حرمت تھی۔

”یہ سب آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔“ فریدی بولا۔ ”میں اپنے پرانے تعلقات کی بجائے پر آپ سے یہ استدعا کر رہا ہوں۔“

”ضرور ضرور! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں آج ہی حفاظت کیلئے درخواست دے دوں گا۔“

اندھا کنوال

”میں آپ کا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا۔“ رفیق فریدی کے ہمراوں پر ہاتھ رکھ کر بے اختیار

روپڑا۔

”نہیں نہیں بھائی یہ کیا کرتے ہو۔“ فریدی اپنے ہمراہ کراں سے سیدھا بٹھاتا ہوا بولا۔ اُس نے اسے انگلی سیٹ پر اپنے ساتھ ہی بٹھایا تھا۔ حمید چھپلی نشست پر تھا۔

فریدی نے رفیق کے بتائے ہوئے راستے پر کار لگادی۔

”ہاں تو میں نے تم سے کرعیں کی بدحواری کی وجہ پر چھپی تھی۔“ فریدی نے کہا۔

رفیق کے ہوتھ ہلے اور ایک ہزیاری قسم کی ٹرٹراہٹ سنائی دی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا چیزے وہ خود سے باتمیں کر رہا ہو۔ پھر یک یک چوکک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”آپ یقین کریں یا نہ کریں۔“ وہ آہستہ سے بولا۔ ”لیکن جو کچھ میرے علم میں ہے بتانے کی کوشش کر دوں گا۔“

وہ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ ”میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کہاں سے شروع کر دوں۔“

”تم یہ بھول جاؤ کہ پولیس والے کو بیان دے رہے ہو۔“ فریدی نے اسے دلا سادیا۔

”وہ ایک عجیب و غریب چانور کے چیچپے دوڑے تھے۔“ رفیق آہستہ سے بولا۔ ”اگر میں آپ

کواس کی شکل و صورت کے بارے میں بتاؤں تو آپ بے تحاشہ میرا محکمہ اڑائیں گے۔“

”نبیں میں محکمہ نہیں اڑاؤں گا۔“ فریدی نہ کر بولا۔ ”شاند میں بھی اس سورے واقف

ہوں جس کے جسم پر چیتے کی سی دھاریاں ہیں اور جس کا سر....!“

”آپ جانتے ہیں۔“ رفیق فریدی کا بازو پکڑ کر پر جوش انداز میں بولا۔

”تو تم نے بھی اس جانور کو دیکھا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”میں نے اندھیرے میں کوئی جانور دیکھا تھا۔ میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکا کہ وہی تھا۔
بہر حال کر علی صاحب اس کے پیچے دوڑے تھے۔“

”لیکن تم نے تو ابھی یہ کہا تھا کہ اگر میں اس جانور کے متعلق بتاؤں گا تو آپ میرا محکمہ
اڑائیں گے۔“

”میں نے تھیک کہا تھا۔ کر علی صاحب کو اسی جانور کی توقع تھی۔“

”کیوں توقع کیوں تھی۔“

”آنہیں تین چار دن قبل ایک خط موصول ہوا تھا۔ اس پر اسی جانور کی تصویر بنی ہوئی تھی اور
اس میں انہیں غالباً جان سے مادر دینے کی دھمکی دی گئی تھی۔“

”تم نے وہ خط دیکھا تھا۔“

”جی ہاں کر علی صاحب مجھ پر اعتماد کرتے تھے اور پھر دوسری بات یہ کہ اس سے قبل بھی
ہمارا سابقہ اس جانور اور اس کے مالک سے پڑچکا تھا۔“

”یعنی....!“

”میں اب داستان کے اسی حصے کی طرف آرہا ہوں، جسے سن کر تھا نے دار صاحب نے الف
سلی والی پچھتی کی تھی۔“

”تم کافی پڑھے لکھ معلوم ہوتے ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”پڑھا لکھا خاک بھی نہیں۔ بس آپ جیسے بڑے لوگوں کی خدمت میں رہ کر بولنے کا سلیقہ
اگیا ہے۔“

جمید آگے سر ک آیا۔

”یہ غالباً ۲۸، کی بات ہے۔ کر علی صاحب کی پارٹی افریقہ کے جنگلات میں شکار کھینلنے کے

لئے موباہر اتری تھی۔ ان کے ساتھ کہی اگر بھی بھی تھے۔ ان میں کچھ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ گئے تھے۔ میں کر علی صاحب کے ہمراہ تھا۔ وہ تھا تو یور و پین ہی نسل کا آدمی تھا اس کا رہن سن بالکل دہاں عجیب و غریب جانور کا مالک تھا۔ وہ تھا تو یور و پین ہی نسل کا آدمی تھا اس کا رہن سن بالکل دہاں کے مقامی باشندوں کا ساتھ تھا۔ اس کی شکل مجھے آج بھی یاد ہے۔ انداخوناک آدمی اس کے علاوہ پھر کبھی میری نظر دوں سے نہیں گزرا۔ اس کے دو توں شانے اس کے سر سے کچھ ہی خیڑے ہوئے ہوں گے۔ ان کے درمیان میں اس کا سر بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا چھے کہی تو کری میں بڑا ساتر بوز رکھا ہو۔ اس کی آنکھوں میں یوں تو مزیدوں کی سی نقاہت ظاہر ہوتی تھی تھا اس کی طاقت اپنی جواب نہیں رکھتی تھی۔ دہاں کے مقامی باشندے اُسے جادو گر سمجھ کر اس سے خائف رہتے تھے۔ ”رفق کھانے لگا۔ تحوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔ ”مقامی باشندے یہ سمجھتے تھے کہ اس کے قبیلے میں خبیث روحیں ہیں اور وہ اس عجیب و غریب جانور کو بھی کوئی خبیث روح ہی سمجھتے تھے جو اس کے پیچے پاتو کتوں کی طرح چلا کرتا تھا۔ ہمارے ساتھ کے اگر بیڑے اس کی معلومات سے فائدہ اٹھانے کیلئے اُسے اکثر مدعا کرتے تھے۔ موباہر میں ہم نے آبادی کے باہر قیام کیا تھا۔ یہ کر علی صاحب کی تجویز تھی، ورنہ دوسرے ساتھی تو کسی ہوش میں قیام کرنا چاہتے تھے۔ بہر حال ہم نہیں میں مقیم تھے دہاں سے تقریباً ایک میل کے قابلے پر ایک گاؤں تھا جہاں ڈاگی ناہ رہتا تھا۔ ”ڈاگی ناہ کون۔ ”فریدی نے پوچھا۔

”وہی پر اسرار آدمی۔ اُسے دہاں کے باشندے ڈاگی ناہ کہتے تھے، جو غالباً ڈاکٹر کی گیزی ہوئی شکل تھی۔ ہاں میں یہ تو بتانا ہی بھول گیا کہ وہ ڈاکٹر بھی تھا۔ ہمارے ساتھ بھی ایک اگر بیڑے ڈاکٹر تھا اس نے ہمیں بتایا کہ وہ ایک تجربہ کار ڈاکٹر معلوم ہوتا ہے۔ ہاں تو.... وہ تقریباً ہر روز ہمارے یکپیٹ میں آتا تھا۔ کچھ دنوں بعد ہم بھی اس سے خوف محسوس کرنے لگے۔ اس کی موجودگی میں کم از کم مجھے تو یہ محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی درندہ انسان کی شکل میں ہمارے پاس آبیٹھا ہو۔ خصوصاً ہمارے ساتھ کی عورتیں تو اس سے بہت زیادہ خائف رہا کرتی تھیں۔ اب سننے اصل واقعہ یہاں سے شروع ہوتا ہے ایک رات ہم کھانا کھانے کے بعد کر علی والوں کے خیہے میں جمع تھے اور دوسرے دن کے شکار پر بحث ہو رہی تھی کہ ہم نے کسی عورت کی جیچ سنی۔ عورتیں سب دوسرے خیہے میں تھیں۔ دھننا نہیں نے بھی چننا شروع کر دیا۔ ہم سب گھبرا کر باہر نکل آئے۔

وہ سب ڈاگی ناہ، ڈاگی جیخ رہی تھیں۔ کسی عورت نے جس کے اوسان بجا تھے ہمیں بتایا کہ ڈاگی ناہ کر ٹل واٹن کی چودہ سال لڑکی لوئی کو اٹھائے گیا۔ ہم سب نے جلدی جلدی رائلپور اور نارچیں اختیار کیے۔ عورت نے ڈاگی ناہ کے فراہ کی سوت بتائی اور ہم اسی طرف بے تحاشہ دوڑنے لگے۔ بد خواہی میں ہم ایک دوسرے سے الگ ہو گئے جو بھی جہاں تھا ڈاگی ناہ کو علاش کر رہا تھا۔ اچانک میرے کرٹل صاحب اس تک پہنچ ہی گئے۔ لڑکی خوف کے مارے بیہوش ہو گئی تھی اور وہ شیطان ڈاگی ناہ اپنا منہ کالا کرنے لے چکا۔ کرٹل صاحب اس پر ٹوٹ پڑے۔ اس سے تک نہیں کہ وہ کرٹل صاحب سے کہیں زیادہ طاقتور تھا لیکن کرٹل صاحب نے نہ چانے کس طرح اسے بہت زیادہ زخمی کر دیا۔ مگر افسوس کہ وہ نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔

رفیق کو پھر کھانی آگئی۔ فریدی بہت آہستہ آہستہ کار چلا رہا تھا۔

”اور پھر.....!“ رفتق تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”وہ افریقہ کے دوران قیام میں برابر ہمارا تعاقب کرتا رہا۔ اس نے کئی بار میرے کرٹل صاحب پر چھپ کر حملے بھی کئے۔ لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کئی خطوط میں جان سے مار ڈالنے کی دھمکی بھی بھی دی تھی۔ ان خطوط پر بھی اس کے اس خبیث جانور کی تصویر بنی رہتی تھی، اور پھر جب اس دن کرٹل صاحب کو پھر اسی قسم کا خط ملا تو وہ بڑھاپے کی وجہ سے گھبر اگئے۔ آخر عمر میں دل و دماغ میں کمزوری آئی جاتی ہے۔“

”تو کیا افریقہ سے واپس آنے کے بعد بھی انہیں خطوط ملے تھے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں یہ پہلا اتفاق تھا۔ اس سے قبل کے خطوط افریقہ ہی کے دوران قیام میں ملے تھے۔“

”مگر والے بھی اس واقعے سے واقف رہے ہوں گے۔“

”قطعاً نہیں.... مگر والے تو کیا پورے ملک میں میرے سوا اور کوئی اس سے واقف نہیں تھا۔“

”کیوں....!“

”نہ جانے کیا بات تھی کہ کرٹل صاحب نے تو خود ہی کسی سے اس کا تمذکرہ کیا اور نہ مجھے ہی کرنے دیا۔“

”وچ تو بتائی ہو گی۔“

”نہیں اس کی وجہ نہیں بتائی۔“

”تو تم وثوق سے کہہ سکتے ہو کہ گھر کا کوئی فرد اس واقعے سے واقف نہیں تھا۔“

"مجھے اس پر اتنا یقین ہے جتنا اس بات پر کہ اس وقت میں آپ کے پاس بیٹھا ہوا ہوں۔"
"آخر تم اتنے دشوق سے کیوں کہہ رہے ہو۔"

"اگر انہوں نے کسی کو بتایا ہو تو اس سے اس خط کا بھی تذکرہ کرتے جو انہیں اس دن ملا تھا۔"
فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"کر غل صاحب اپنے جواہرات کہاں رکھتے تھے۔"

"آنکے سونے کے کمرے میں نحیک ان کے سرہانے ایک تھوڑی ہے۔ اُسی میں رکھتے تھے۔"
"لیکن وہ غائب ہیں۔"

"ارے....!" رفیق بے اختیار اچھل پڑا۔ "میرا خیال ہے کہ ان کا علم بھی میرے علاوہ اور
کسی کو نہیں تھا۔"

"تھوڑی بالکل خالی ملی ہے۔"

"اور کا نہاداں....!" رفیق نے معتبر باند انداز میں پوچھا۔
"کاغذات بھی نہیں تھے۔"

"افسوس اس میں کتنی اہم دستاویز بھی تھیں، بس یہ سمجھ لجھنے کے لاکھوں روپے ذوب گئے۔"

"تو تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ نہ اسرار آدمی یہاں آگیا ہے۔" فریدی نے سوال کیا۔

"اُسی صورت میں میں اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"اس نہ اسرار آدمی کی اس وقت کیا عمر رہی ہو گی۔"

"تقریباً سانچھ سال۔"

"ہوں....!" فریدی نے پر خیال انداز میں سر ہلایا اور مذکر حمید کی طرف دیکھنے لگا جو لاپرواںی سے باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رفیق پھر کھانے لگا۔

رفیق نے کھانے کھانتے ایک طرف اشارہ کیا اور فریدی نے کار روک دی۔ فریدی نے
پلٹ کر دیکھا۔ یہاں سے پہلی کوئی تقریباً ایک یا ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر تھی اور اس کی پشت کا حصہ یہاں سے صاف دکھائی دے رہا تھا۔

وہ تینوں کار سے اترے، چاروں طرف جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ رفیق کچھ سوچنے لگا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ وہ کنوں کس جگہ ہو سکتا ہے۔" اُس نے کہا۔

”کیا مطلب....؟“ فریدی اُسے گھورنے لگا۔

”میں نے آپ سے بتایا تاکہ میں باہر نکلنے کے بعد زیادہ دیر ہوش میں نہیں رہا تھا۔“

”تو پھر تم نے اس جگہ کا اندازہ کیسے لگایا تھا جبکہ رات بھی اندر ہیری تھی۔“

”وہ پہلی کار درخت۔“ رفیق نے ایک طرف ہاتھ اٹھا دیا۔ ”اکثر پوچھا پائیج کرنے والی عورت میں اس پر چراغ چڑھا جاتی ہیں۔ میں نے اسی سے جگہ کا اندازہ لگایا تھا۔ مجھے سوچنے دیجئے۔ میں اس سمت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں جد ہر درخت و کھائی دیا تھا۔“

حید کے ہونٹوں پر ایک طڑ آمیز مکراہٹ پہلی رہی تھی لیکن فریدی بہت زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

رفیق تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر دفعتاً ایک طرف چلتے گا۔ فریدی اور حید اُسی جگہ کھڑے رہے۔ کچھ دور چل کر رفیق رک گیا۔ چند لمحے اور ہر دیکھتا رہا پھر فریدی کو آواز دی۔ ”میرے خیال میں وہ جگہ بھی ہے۔“ اس نے کائنے دار جہازیوں کے ایک جمنڈ کی طرف اشارہ کیا۔

”صرف خیال ہی خیال ہے یا....؟“

رفیق نے اپنے کرتے کا دامن اٹھایا جس کا ایک کون تھوڑا سا غائب تھا اور آہستہ سے بولا۔

”یہ یہیں کہیں الجھ کر پھٹا تھا.... وہ دیکھئے.... اس طرف آجائیے۔ یہ رہا۔“

جهازیوں میں ایک جگہ دیکھی ہی دھاریوں والا تھوڑا سا کپڑا پھٹا ہوا تھا جیسا رفیق نے کرتا پہن رکھا تھا۔ فریدی جھک کر اُسے دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے سر اٹھا کر رفیق کو دیکھا۔

”حید! کار سے واکنگ اسکے نکال لاو۔“ فریدی نے کہا۔

”پھر واکنگ اسکے۔“ حید بڑی بڑی ہوا چلا گیا۔

”وہ خط کیا ہوا تھا جو کریں کو موصول ہوا تھا۔“ فریدی نے رفیق سے پوچھا۔

”وہ بھی اسی تجوہی میں بند تھا۔“

حید واکنگ اسکے لے کر واپس آگیا۔ فریدی اس سے جہازیاں ہٹا ہٹا کر اندر گھس رہا تھا۔

کچھ دور چل کر وہ رک گیا۔ تھوڑی دیر تک سر جھکائے کچھ دیکھتا رہا پھر دفعتاً حید اور رفیق کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

حید نے اسے آواز دی، لیکن جواب نہار د۔ حالانکہ وہ جگہ جہاں وہ عائب ہوا تھا زیادہ دور نہ تھی۔ بمشکل تمام تیس یا چالیس گزر کا فاصلہ رہا ہو گا۔ حید اسے پے در پے آواز دیا تھا۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو وہ جھلا کر رفیق کی طرف پلت پڑا۔

”او بوڑھے! میں تیری بیٹیاں اڑا دوں گا۔“

”رفیق نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خود بھی بہت زیادہ خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔“

”بولو....!“ حید نے اس کا گریبان پکڑ کر بچھوڑ دیا۔

”حضور میں کیا....?“ رفیق ہاتھ پر رہا تھا۔

حید اسے گھینٹا ہوا کار کی طرف لے گیا۔

”حضور....!“ رفیق پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

”حضور کے بچے۔“ حید نے اسے اندر دھکیل کر کھڑکیوں کے تالے بند کر دیئے اور انہیں کو

بھی مقتل کرنے کے بعد جھماڑیوں کی طرف چل دیا۔

وہ فریدی کو آواز دیتا ہوا کپڑوں کی پروادہ کئے بغیر جھماڑیوں میں گھس رہا تھا۔

اور پھر وہ اگر اچاک سنجل نہ جاتا تو وہ خود بھی اس اندر ہے کون میں میں جا پڑا ہوتا۔

کون میں کی تہہ میں اسے ایک آدمی دکھائی دیا۔ نیچے اندر ہمیرا ہونے کی وجہ سے صورت صاف

نہیں دکھائی دے رہی تھی۔

حید نے پھر آواز دی۔

”کیوں مرے جا رہے ہو۔“ نیچے سے آواز آئی اور حید نے اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن پھر

دوسرے لمحے میں اس کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ فریدی تہہ تک پہنچا کس طرح کیا ہے؟

خیالی میں گر گیا؟ لیکن اگر یہ بات ہوتی تو وہ اتنے اطمینان سے اسے جواب کس طرح دیتا۔

حید جھک کر دیکھنے لگا اور پھر اس پر ساری حقیقت روشن ہو گئی۔ کتوں پختہ تھا۔ اور سے

نیچے تک ایشیں چتی ہوئی تھیں۔ کگاریں اتنی چوڑی اور قریب قریب تھیں کہ کوئی بھی بہ آسانی

تہہ تک پہنچ سکتا تھا۔

”یہاں کیا کر رہے ہو۔“ نیچے سے آواز آئی۔ ”اسے گھرانی میں رکھو۔“

حید پھر کار کے قریب آگیا۔ اسے اپنے روئے پر افسوس ہو رہا تھا۔ رفیق کی آنکھیں ابھی

مک بھی ہوتی تھیں۔ حید نے کھر کیوں کے تالے کھول کر اسے باہر نکالا۔
”صاحب ملے۔“ اس نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

”ہاں.... لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم خود ہی کنوئیں سے کیوں نہیں نکل آئے تھے۔“

”میں جانتا تھا کہ آپ اُس کنوئیں کو دیکھ کر بھی سوال کریں گے۔“ رفیق آہستہ سے بولا۔
”اوپر سے دیکھنے میں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی آسانی سے اس میں اتر سکتا ہے اور یونچ سے
اوپر آسکتا ہے۔ مگر شاید آپ یہ نہیں جانتے کہ چلی کلار بہت اوپھی ہے اور مجھے چیزیں بوڑھے...!“
فریدی کے قہقہے نے اس کی بات پوری نہ ہونے دی۔ وہ چپ چاپ ان کے پیچے آکر کھڑا
ہو گیا تھا۔

”واقعی چلی کلار سک پہنچنا تمہارے بس کا روگ نہیں تھا۔“ اس نے یک بیک سنجیدہ ہو کر
کہا۔ ”مگر اُس کنوئیں میں نہ وہ رومال ملے اور نہ وہ خالی بوٹلیں۔“

رفیق کے چہرے پر ہوا یہاں اڑنے لگیں۔ ہونٹ بلے، لیکن وہ صرف تھوک نکل کر رہ گیا۔
”ڈرو نہیں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”تمہیں شاید آج رات سک اور قید میں رہنا پڑے۔
کل صنانت ہو جائے گی اور ہاں صنانت کے بعد جاؤ گے کہاں۔“

”مجھے نہیں معلوم کہ میں کہاں جاؤں گا۔ چلی کو تھی کے علاوہ میرا کوئی گھر نہیں تھا اور اب
دہاں سب مجھ پر شہید کر رہے ہیں۔“

”خیر تم عدالت ہی میں رک کر میرا انتقال کرتا۔“ فریدی نے پر خیال انداز میں کہا۔

پھر زہر

ایک ہفتہ گذر گیا۔ فریدی خلاف معمول بہت زیادہ خاموش تھا۔ وہ اس کیس کے متعلق بہت
کم گفتگو کرتا تھا اور حید کی بھجن بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر اس نے تبریز کیا کہ وہ خود ہی فریدی سے
الگ تھلگ تحقیقات شروع کر دے گا۔ سب سے زیادہ پیتابی اسے اس بات کی تھی کہ وہ کسی طرح
آن پرندوں کی موت کے متعلق معلوم کر لے۔ فریدی نے رفیق کو کیوں حوالات سے سے نکلوالا
تھا۔ یہ چیز ابھی تک اس کیلئے معنہ بنتی ہوئی تھی۔ اس نے اسے اپنے ایک دوست کے یہاں نہرا

دیا تھا۔ اُس نے یہ سب کچھ اپنی خود اعتمادی کے ساتھ کیا تھا جیسے اُسے یہ یقین ہو گیا تھا کہ رفتق کا اس سازش سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن حمید کو اس پر یقین نہیں تھا۔ بعض اوقات فریدی اصل مجرموں سے بھی دیدہ و دانستہ اپنی بے تعاقی ظاہر کرتا تھا جیسے وہ یا تو بے گناہ ہوں یا بالکل ہی مقصوم۔ دوسری طرف وہ فسیر سے دوستی بڑھا رہا تھا۔ چیلی کو بھی میں آمد و رفت بڑھ گئی تھی اور دہاں کے سارے افراد اس سے کافی بے تکلف ہو گئے تھے۔ حمید سورج رہا تھا کہ کیا جچھ فریدی کو عالیہ پنڈ آگئی ہے۔ لیکن یہ ایک ایسا خیال تھا جس پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ اُسے اپنے الفاظ میں عورت پروف کے نام سے یاد کرتا تھا۔ حمید نے ایک بات اور نوٹ کی تھی وہ یہ کہ فریدی چیلی کو بھی جانتے وقت عموماً اسے نظر انداز کر جاتا تھا۔

حمدید اس وقت گھر میں تھا تھا۔ فریدی دفتر سے آنے کے بعد ناشت کر کے فوراً ہی کہیں چلا گیا تھا۔ آج تو خصوصاً اس کے روئے پر اُسے بڑا تاؤ آیا تھا۔ مگر قہر درویش پر جان درویش۔ آج تو اس نے اس کے اس سوال کا جواب تک نہیں دیا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ اس نے اپنے کوٹ کے کار میں بڑا سا گلاب کا پھول لگا رکھا تھا۔ تھوڑی دیر تک حمید اس گلاب کے پھول کے متعلق غور کر رہا تھا۔ پھر دھڑا اس کا ذہن چیلی کو بھی کی طرف گھوم گیا جہاں بچپنی شام کو بھی کچھ مردہ پر نہ ملے گئے تھے۔ وہ شروع ہی سے اُن کے متعلق سوچتا آیا تھا۔ کرع اور اس کے بھائی کی نہ اسرار موت نے اُس کے دل سے یہ خیال نکال دیا تھا کہ وہ کوئی آئینی خلل ہے کیونکہ انہیں ختم کر دینے کے لئے جو طریقہ استعمال کیا گیا تھا وہ اس پر اچھی طرح روشن ہو گیا تھا اس نے عرصہ ہوا ان پر نہیں کے متعلق ایک تدبیر سو جبھی تھی لیکن اسے آج تک عملی جامد نہ پہنچا سکا تھا۔ اس کی کاملی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ فریدی بعض اوقات اُسے جچھ کھیاں ہی مارنے پر مجبور کر دیا تھا۔ جب ضرورت کچھی کام لیا ورنہ پڑے پڑے باقیں بنایا کرو۔

حمدید جھنچھلا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے جلدی جلدی کپڑے پہنے۔ کاندھے پر شکار کا تھیلا اور رائفل نیکائی اور گیراج سے موڑ سائکل نکال کر چیلی کو بھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ دولت گنج کھنچ کر اُس نے موڑ سائکل را جروب پ ٹکرداں سڑک کی طرف موڑ دی کیونکہ وہ چیلی کو بھی کی پشت پر پہنچتا چاہتا تھا۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا۔ دھوپ کی تیزی کم ہو گئی تھی۔ لیکن دن بھر کی جلی ہوئی زمین ابھی تک چپ رہی تھی۔

پیلی کو بخی کی پشت پر پہنچ کر حمید نے موڑ سائکل جہازیوں میں چھپا دی اور خود ایک اوپر درخت پر چڑھنے لگا۔ گنجان ٹھینیوں کے درمیان اس نے ایک ایسی مضبوط شاخ تلاش کر لی جس پر وہ کچھ دیر تک بینچے رکے۔ درخت کافی اوپر تھا اور جہاں حمید بیٹھا تھا وہاں سے پیلی کو بخی کا پائیں باعث صاف نظر آ رہا تھا۔

ایک بڑی سی میز کے گرد کئی آدمی بیٹھے تھے۔ حمید نے شکار کے تھیلے سے دور میں نکالی اور اس کا فوکس ٹھیک کر کے پائیں باعث کی طرف دیکھنے لگا۔ میز پر چائے دانیاں اور فواہیات رکھے ہوئے تھے اور وہاں غصیر کے علاوہ گھر کے سارے افراد موجود تھے۔ فریدی بھی تھا۔ وہ ٹھیک عالیہ کے سامنے بیٹھا تھا ہلاہلا کر گفتگو کر رہا تھا۔ حمید دانت چیز کر رہا گیا۔

تحوڑی دیر بعد وہ پائیں باعث کی طرف سے بے تعلق ہو کر آسمان میں کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے پرندوں کی کئی قطاریں گزر گئیں لیکن ان میں سے ایک بھی مرکر کی نیچے نہ گرد حمید مایوس ہو گیا۔ اُسے اپنی اس حماقت پر تاؤ آگیا۔ آخر کیا تھک ہے۔ خواہ نخواہ بندروں کی طرح درخت پر چڑھ بیٹھے ہیں۔ اس کا دل چاہا کہ کاندھ سے رانفل اتار کر پیلی کو بخی کے پائیں باعث میں گولیوں کی بوچھاڑ کر دے۔

دفعتاً پرندوں کی ایک قطار پھر گزری اور ان میں سے کئی لہرا کر قطار سے الگ ہو گئے۔ پھر وہ قلا بازیاں کھاتے اور اپنے پر پھیلاتے نیچے کی طرف جانے لگے۔ حمید نے یہ دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ پائیں باعث میں بیٹھے ہوئے لوگوں پر اس کا کیا رد عمل ہوا۔ وہ تھر آمیز انداز میں پرندوں کی گزرتی ہوئی قداروں کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی۔ ایک آدھ پرندے اب بھی گر رہے تھے۔

حمدید نے جلدی جلدی ایک بار پھر دور میں کافوکس ٹھیک کیا اور گردن کچھ اوپھی کر کے دیکھنے لگا۔ دو تین پرندے اور گرے۔

بہر حال اس نے جو کچھ بھی دیکھا اس کے متعلق اخذ کئے ہوئے نتیجے پر قطعی مطمئن تھا۔

پھر اس نے دور میں کارخ پائیں باعث کی طرف پھیر دیا۔ وہ سب گرے ہوئے پرندوں کے گرد اکٹھا ہو گئے تھے لیکن فریدی ابھی تک اسی جگہ پر بیٹھا تھا۔ خود حمید کو پہلے ہی سے اتنی حرمت تھی کہ وہ اس پر مزید حرمت کا اضافہ کرنا فضول سمجھنے لگا۔

لیکن وہ انہیں ضرور متین کرنا چاہتا تھا۔ وہ میں شرارت کے کیڑے کلبلا اٹھے تھے۔ ایسے موقعوں پر ہمیشہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی تھی۔ اس نے رانفل سید ہمی کی، ہبیلی کو ٹھی پر سے گذرتے ہوئے پرندوں کی قطار پر فائز کر دیا۔ ایک گرا اس نے جلدی میں یہ تک دیکھنا ضروری نہ سمجھا کہ ہبیلی کو ٹھی والوں پر اس کا کیارہ عمل ہوا ہے، بس اس نے پھر تی سے رانفل کا نام ہے پڑالی اور نیچے اترنے لگا۔ اپاںک اس کی نظریں ہبیلی کو ٹھی کی طرف اٹھ گئیں۔ کچھ لوگ وہاں سے پچھوڑا کی طرف آرہے ہے۔ مید پھر اور پچھے گیا۔ غیمت بھی تھا کہ درخت کافی گنجان تھا لیکن حید مطمئن نہیں تھا۔ وہ جاننا تھا کہ آئنے والوں میں فریدی ضرور ہو گا۔ اسکی صورت میں آسانی سے قع نکلنا معمولات میں سے ہو سکتا تھا۔

شفقت کے رنگ گہرے ہو چکے تھے اور آہستہ آہستہ سارا جنگل دھنڈ میں لپٹنا چاہتا تھا۔ حید ٹھیک اپنے نیچے لوگوں کے بولٹے کی آوازیں سن رہا تھا۔ فریدی کہیں دور سے کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کچھ دیر ادھر ادھر سرمارنے کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔ اب کافی اندر ہمراں پھیل گیا تھا۔ حید تھوڑی دیر تک کسی کی آہٹ کا منتظر رہا لیکن جب کچھ سنائی نہ دیا تو وہ آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا۔ وفعلاً اس نے موڑ سائکل اشارت ہونے کی آواز سنی۔ لیکن اس کے کان پر جوں تک نہ رینگلی کیونکہ یہ آواز بہت دور سے آئی تھی۔

لیکن نیچے آکر جیسے ہی اس نے ان جہازیوں میں قدم رکھا جہاں موڑ سائکل چھپائی تھی۔ اس کے پیروں تکے سے زمین نکل گئی اور وہ گھبر اکر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔

قرب و جوار کی ساری جہازیاں چھاٹ ماریں۔ مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ وہ سوچنے لگا کہ لے جانے والا اس سے زیادہ چالاک تھا۔ کیونکہ وہ اسے جہازیوں سے نکال کر کافی دور تک سمجھنے پڑا ہوا لے گیا تھا۔ پھر اشارت کر کے روپ چکر ہو گیا تھا۔

حید نے سوچا کہ ہبیلی کو ٹھی جائے۔ شاید فریدی وہاں موجود ہو لیکن پھر رانفل اور شکار کے تھیلے کا خیال آتے ہی اس نے ارادہ ملتوي کر دیا۔

دولت گنج تک پیدا آنے کے بعد اس نے ایک ٹیکسی کی اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ شہر پہنچ کر موڑ سائکل کی گشادگی کی روپورث درج کرادے گا۔ وہ موڑ سائکل اسے سرکاری طور پر ملی تھی اس لئے اسے اور زیادہ ابھسن تھی۔

برآمدے میں داخل ہوتے ہی اُس نے محسوس کر لیا کہ فریدی گھر میں موجود ہے۔ اس نے
اس نے رانفل اور تھیلا چپ چاپ سائینڈ کے کمرے میں رکھ دیئے۔
فریدی اندر ونی برآمدے میں آرام کری پر لینا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ حمید نے چپ چاپ
اوپری منزل میں نکل جاتا چاہا۔

”تو را اوہر تشریف لا لیئے۔“ فریدی نے اُسے آواز دی۔
”فرمایے۔“ حمید رُک کر مڑا۔ اس کے لبجھ میں جھنجھلاہٹ تھی۔
”قریب آؤ...!“ فریدی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ یہ کیا حرکت تھی۔
”کیسی حرکت...؟“
”تمہارا دماغ نحیک ہے یا نہیں۔“
”آخر آپ کہہ کیا رہے ہیں۔“
”تم نے درخت پر سے گولی کیوں چلانی تھی۔“
حمد بوكھلا گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ شاید فریدی نے اُسے دیکھ لیا تھا۔
”میری خوشی۔ میں اس کیست کی تفتیشِ الگ سے کر رہا ہوں۔“
”درخت پر چڑھ کر۔“ فریدی طنزیہ لبجھ میں بولا۔
”جس طرح مجھے آسانی ہو گی کروں گا۔“

”صاحبزادے ہو۔“ فریدی نے ہونٹ سکوڑ کر کھلا۔ ”خیر جو کچھ بھی ہو انہر انہیں ہوں۔ لیکن
میں پوچھتا ہوں کہ یہک تھہارے سر پر بھوت کیوں سوار ہو گیا تھا اور پھر ذرہ برابر بھی احتیاط
نہیں برداشت سکتے۔ حالانکہ تم نے واپسی میں بہت دور جا کر موڑ سائیکل اشارت کی تھی۔ لیکن پھر
بھی... انہوں نے دولت گنج کے تھانے میں روپرٹ درج کراوی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم موڑ
سائیکل کے ہار بدل ڈالو۔ چلو یہ کام ابھی کئے لیتے ہیں۔ آئندہ اُنکی حماقت نہ کرنا۔“
فریدی کھڑا ہو گیا۔

”مگر.... مگر....!“ حمید ہکلایا۔
”کیا....؟“ فریدی دروازے کی طرف جاتے جاتے رُک کر بولا۔
”کچھ نہیں۔“

”تو آؤ...!“

”بات کیا ہے...!“

”کیا بات ہے۔“

”خیر یے تو...!“

”ارے تو بول نابا۔“

”موڑ سائکل کوئی اڑا لے گیا۔“

”کیا...؟“ فریدی غصے میں پلانا۔ ”میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔“

”آپ میرا قیمہ کر دیجئے۔ اب غلطی تو ہو ہی گئی۔“

”تو تمہیں اپنی غلطی کا اعتراف ہے۔“

”مجی ہاں۔“

”اچھا کان پکڑو۔“

حمد نے کان پکڑ لئے۔

”مرغ کی بولی بولو۔“

”یہاں نہیں...!“ حمید اور حمزہ دیکھ کر بولا۔

”آہستہ سے بولو۔“

”گھروں کوں۔“ حمید آہستہ سے بولا۔

”شabaش...!“ فریدی نے قبچہ لگایا۔ ”موڑ سائکل کیرج میں موجود ہے۔“

”کیا...؟“ حمید اچھل کر بولا۔

”مجی ہاں...!“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اگر میں انہیں باتوں میں نہ بھلاتا تو انہیں موڑ سائکل مل گئی ہوتی۔“

”لیکن آپ نے زبردست غلطی کی۔“

”کیوں...؟“

”اگر میں اندر ہرے میں آپ کو گولی مار دیتا تو۔“

”آپ...!“ فریدی نے اس کے من کے سامنے ہاتھ نچا کر کہا۔ ”آپ میں اتنی صلاحیت

ہوتی تو رونا کس بات کا تھا۔ ”

”میں دھوکا کھا گیا۔“ حمید نے کہا۔ ”اگر آپ نے اسی جگہ اشارت کی ہوتی تو دیکھتا۔“

”مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا تھا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”خیر تمہاری اس حرکت سے فائدہ ہی پہنچنے کی امید ہے۔ ورنہ اس وقت میرے ہاتھ میں ہنڑ ہوتا اور تم خاک و خون میں لوٹنے نظر آتے۔“

”آپ خواہ خواہ اپنی طاقت کا رعب ڈالا کرتے ہیں۔“ حمید گھوڑ کر بولا۔ ”بھی او.... او.... او۔“ حمید جملہ نہیں کر پایا تھا کہ فریدی نے اس کی گردون پکڑ لی۔

”ہاں کیا کہہ رہے تھے۔“ فریدی اس کی گردون دبوچے ہوئے بولا۔

”ارے ارے خدا کی قسم میں ابھی مر جاؤں گا۔“ حمید غصیلی آواز میں بولا اور فریدی نے ہنس کر اس کی گردون چھوڑ دی۔

حمید تھوڑی دیر کھڑا گردون سہلا تارہ پھر بولا۔

”جی کہتا ہوں کہ آپ کی یہ ساری درندگی کافور ہو سکتی ہے۔“ اس نے کہا۔ ”بذریکہ آپ شادی کر لیں۔“

”ضرور کروں گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”بذریکہ کوئی پتھر یا فولاد کی عورت مل جائے۔“

”تاکہ گھبراوں تو نکرا بھی سکوں۔“ حمید نے احمد ندیم قاسمی کا مضرعہ پڑھ دیا۔

”خدا کی قسم بڑا پیار اشعر کہا ہے ندیم نے۔“ فریدی نے آہستہ سے شعر پڑھا۔

اب یہ سوچا ہے کہ پتھر کے صنم پوچوں گا

تاکہ گھبراوں تو نکرا بھی سکوں مر بھی سکوں

فریدی تھوڑی دیر خاموش رہا پھر کچھ کہنے ہی جادہ تھا کہ حمید بول پڑا۔

”ان مردہ پرندوں کے متعلق آپ نے کیا رائے قائم کی۔“

”میں جانتا ہوں کہ تم اسی لئے درخت پر چڑھتے تھے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”آپ تورو شن ضمیر ہیں۔“ حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

”زوشن ضمیر تو نہیں لیکن تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔“

”خیر میں فضول بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔“ حمید آکتا کر بولا۔

”میں سمجھتا ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”تم کچھ بتانے کے لئے جیاب ہو۔“

”جی ہاں....!“ حمید نے اکٹھ کر کہا۔ ”وہ کسی تم کے زہر میلے پتھنے کھا کر مر جاتے ہیں۔“

فریدی بے اختیار نہس پڑا اور حمید کا خون کھول کر رہا تھا۔ کیوں؟ اس نے دور میں کے ذریعے صاف دیکھا تھا کہ پرندے فضائیں اڑتے ہوئے پنگلوں کو کھا لیا کر ریخے گر رہے تھے۔

”برخوردار انسان کے علاوہ اور سارے حیوانات میں ایک خاص تم کی حس ہوتی ہے جس کے ذریعے انہیں اندازہ ہو جاتا ہے کہ کون کی چیز ان کے لئے بے ضرر اور کون سی مہلک ہے۔ انسان میں بھی وہ حس موجود ہے لیکن دوسرا ٹھل میں ہم اُسے حس نہیں بلکہ اور اس کہتے ہیں۔“ آپ کا فلسفہ انہیں موت سے بچا سکتا ہے اور نہ ان پنگلوں کو بے ضرر ثابت کر سکتا ہے۔“

حمد جنمختا کر بولا۔ ”کیونکہ میں نے خود دیکھا ہے۔“

”میں یہ تو نہیں کہتا کہ تم نے نکلا دیکھا ہے۔“ فریدی نہس کر بولا۔

”پھر آپ کیا کہتے ہیں۔“ حمید جھلاہٹ میں تقریباً چیخ پڑا۔

”میں کہتا ہوں کہ وہ پتھنے بذات خود زہر میلے نہیں ہیں۔“

”کیا مطلب....!“

”مطلب یہ کہ ان کی تم قلبی بے ضرر ہے۔ وہ بیدا اُشی زہر میلے نہیں۔“

”پھر....!“

”آن کے بیرون کو زہر بیٹا بنتایا گیا ہے۔“ فریدی نے کہا اور حمید متین ہو کر اس کی طرف

دیکھنے لگا۔

آخری حملہ

تحوڑی دیر کے لئے برآمدے میں سنانا چھا گیا۔ پھر آخر حمید ہی نے خاموشی توڑ دی۔

”تو آپ آن کے متعلق پہلے ہی سے جانتے تھے۔“

”پہلے سے اگر تمہاری سر اور زیادہ دن ہیں تو میں بھی تمہاری ہی طرح اندر جیرے میں تھا۔“

فریدی نے کہا۔ ”یہ بات مجھے کل معلوم ہوئی ہے۔ میں نے بھی وہی درخت استعمال کیا تھا جس پر

تم آج تھے، لیکن تم نے ان پتگنوں کا نامخانہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی ہو گی۔"

"نمکان...!" حمید پھر چونک پڑا۔

"ہاں.... وہ جگہ جہاں سے پہنچے برآمد ہوتے ہیں۔" فریدی بولا۔ "میں ان کی خاصی بڑی تحداد پکڑ لایا ہوں۔ اگر تم کو میرے بیان پر اب بھی شبہ ہو تو میرے ساتھ آؤ۔"

فریدی اسے اس کرے میں لایا چہاں اس نے سانپ پال رکھے تھے۔ اس نے ایک بریکٹ سے جائی کا ایک صندوق اختاکر میز پر رکھ دیا۔ اس میں مٹیوں کی محل کے بے شمار پہنچے پہلا پہلا رہے تھے۔

فریدی نے چمنی سے پکڑ کر ایک پتگنا نکالا اور اسے ایک سانپ کے آگے ڈال دیا۔ قبل اس کے کہ پتگنا سنبھل کر اڑنے کی کوشش کرتا سانپ منہ مار کر اسے چٹ کر گیا۔

پھر انہیں زیادہ دیر تک نتیجہ کا انتظار کرتا پڑا۔ سانپ نے پہلے تو زمین پر سر رکھ دیا لیکن دوسرا یعنی میں اتنے زور سے اچھلا کہ وہ دونوں چونک کر پیچھے ہٹ گئے۔

تو ٹوڑی دیر تک تراپتے رہنے کے بعد وہ سردا ہو گیا۔

پھر فریدی نے دوسرا پتگنا نکالا اور اس کے پر توڑ دیئے۔ وہ دوسرا سانپ کے آگے ڈالا گیا۔ تقریباً اس منٹ انتظار کرنے کے باوجود بھی حمید نے اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ پائی۔

"تمہاری بے قیمتی کی وجہ سے میرے ایک سانپ کا خون ہو گیا۔" فریدی نے کرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

"آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے مرغ یا کبوتر کا خون ہو گیا ہو۔"

"غیر متعلق بات مت چھیڑو۔"

"ضرور چھیڑوں گا۔" حمید نے کہا۔ "میں کہتا ہوں آخر یہ سب کہلا خانہ بہاں سے کب ہٹے گا۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ حمید دراصل غیر متعلق باتیں کر کے اپنی جھینپ مٹانا چاہتا تھا۔

"لوگ آپ کو خبلی کہنے لگے ہیں۔" حمید پھر بولا۔ "میں نے تو آج تک کسی سنجیدہ اور باہوش آدمی کو سانپ پالتے نہیں دیکھا۔"

"ٹوٹا پالتے دیکھا ہے آپ نے۔" فریدی بولا۔

دیکھا ہے... پھر...!"

”وہ دودھ دیتا ہے یا اس کے انٹے کھائے جاتے ہیں۔“

”خوبصورت پرندہ ہے۔“

”مجھے سانپ خوبصورت لکھتے ہیں۔“

”اے صاحب خدا کرے آپ کو مینڈک اور کچوئے بھی خوبصورت لگیں میرے باپ کا کیا جاتا ہے۔“

”فضول باتوں میں اپنی اس وقت کی شرمندگی چھپانے کی کوشش نہ کرو۔“

”آپ کے پاس اس کے علاوہ اور کیا جواب ہو سکتا ہے۔“ حمید ڈھنائی سے بولا۔

”بکومت۔“ فریدی نے کہا اور یہر ونی برآمدے کی طرف چلا گیا۔

حید تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر ہولے ہولے سیٹی بجاتا ہوا خود بھی برآمدے کی طرف چلا گیا۔

”حید...!“

”فرمائیے۔“

”لوہر آؤ۔“

”آگیا۔“

”بیٹھ جاؤ۔“

”بیٹھ گیا۔“

”جہنم میں جاؤ۔“

”پاپیورٹ بنواد سمجھے۔“

”تم امر کی انداز میں سیٹی نہ بجا لیا کرو۔“

”آپ تو شاید میرے مرنے پر بھی تھیڈ سے باذنہ آئیں گے۔“

”اگر بد سیلگی سے مرے تو اس کی توقع ضرور رکھو۔“

حید تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔

”آج کل بہت موڑ میں معلوم ہوتے ہیں۔“

فریدی جواب دینے کی بجائے سکار سکانے لگا۔

”فرمائیے! آپ کا عشق کن منزوں میں ہے۔“ حید تھوڑے توقف کے بعد بولا۔

”اگر بات کرنے کے لئے کوئی ڈھنگ کا موضوع نہ سمجھے تو خاموش ہی رہا کرو۔“

حید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ چھانک پر ایک کار آ کر رکی اور کوئی اتر کر چھانک میں داخل ہوا۔ رکھوالی کرنے والا اسیشن بھوکٹنے لگا۔

”نیو۔“ فریدی نے اُسے ڈانتا۔

آنے والا کیپین اشرف تھا اور بہت زیادہ گھبرایا ہوا نظر آ رہا تھا۔

”آئے! آئے۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”سب خیر ہے۔“

”خیر ہے کہاں.... اب میں۔“ اس کی سانس پھول رہی تھی۔ وہ دھم سے ایک کرسی میں گردیا۔

”کیا بات ہے؟“ حید اس کی طرف جھپٹنا۔

اشرف نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لفاف دبا ہوا تھا۔ حید اسے لے کر احتقنوں کی طرح دیکھنے لگا۔ پھر اس نے بوکھلا کر فریدی کو دے دیا۔

”اوہ....!“ فریدی لفاف کھولتے ہی چونک پڑا۔ ”تو آپ کی بھی باری آگئی۔“

”کیا بات ہے۔“ حید نے میساختہ پوچھا۔

”وہی خط۔“

”اُرے۔“

فریدی تھوڑی دیر تک اس عجیب و غریب جانور کی تصویر دیکھتا رہا پھر لفاف پر کی تحریر پر نظریں جادیں۔ اس پر کیپین اشرف کا نام لکھا ہوا تھا۔

”یہ خط آپ کو کب اور کس طرح ملا۔“ فریدی نے اشرف سے پوچھا۔

”ابھی کچھ دیر قبل کھانا کھانے کے بعد جب میں اپنے سونے کے کمرے میں گیا یہ میرے سکنے پر رکھا ہوا تھا۔“

”ہوں....!“ فریدی نے پرخیال انداز میں سر ہلایا۔

”میں کیا کروں۔“ اشرف مایوسانہ انداز میں بولا۔

”ہمت کیجئے۔ آپ تو مٹڑی کے آدمی ہیں۔“

”اگر آئنے سامنے کا مقابلہ ہو تو بات بھی تھی۔“ اشرف نے کہا۔
”یہ بھی تھیک ہے۔“ فریدی کچھ سوچنے لگا۔

”میں نے گھر میں کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ سید حا آپ کے پاس چلا آیا۔“
”آپ نے اچھا کیا۔“ فریدی نے کہا۔ ”رفیق کے بیان کے مطابق ہمارا مقابلہ ایک پراسرار
شخصیت سے ہے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”کوئی بات نہیں۔ میں آپ کو اور زیادہ خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا۔“
”پھر بھی.... مجھے اندر ہیرے میں نہ رکھئے۔“

”وہ آپ کے چچا کا ایک بہت پرانا دشمن ہے۔“
”کون...!“

”افریقہ کا ایک نہ اسرار باشندہ۔“

”کچھ اور بھی بتائیے۔“

فریدی نے رفیق کا بیان دھرا دیا۔ اشرف خوفزدہ آواز میں ہنسنے لگا۔

”اول تو مجھے اُس چانور کے وجود پر ہی شبہ ہے اور اگر اس حرم کی کوئی بات ہوتی ہوتی تو چچا
جان مجھے ضرور بتاتے۔ انہوں نے اپنے افریقہ کے بہترے کارنامے بتائے ہیں۔“

”ممکن ہے کسی وجہ سے اس کا تذکرہ نہ کیا ہو۔“

”کسی نہ کسی سے تو ضرور کرتے۔“

”پھر آخر آپ کیا کہتا چاہئے ہیں۔“ فریدی نے سوال کیا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں۔“

”رفیق اتنا ذہین نہیں معلوم ہوتا کہ قتل کے اتنے بادر طریقے سوچ سکے۔“
”پھر...!“

”مجھے اس کا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے۔“

”تو کیا وہ نہ اسرار آدمی یہاں آگیا ہے۔“

”میں اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔“

"خیر وہ ہو یا نہ ہو۔ اشرف گھبرائے ہوئے لجھ میں بولا۔" یہ بتائیے کہ اب میں کیا کروں۔"
"احتیاط برتنے۔"

"کیا چچا صاحب نے احتیاط نہ بر تی ہو گی۔ والد صاحب بھی کافی محتاط تھے۔ مگر۔"
"آپ تھیک کہ رہے ہیں۔" فریدی نے بجھا ہوا سارگار سلاکتے ہوئے کہا۔ "میں پہلی کو تھی
کی گھر انی کیلئے دس بارہ کا نشیبل بھجوادوں گا۔ ان میں سے دو آپکے کرے کے سامنے رہیں گے۔"
"کیا یہ احتیاط مجھے بچالے گی۔" اشرف کے لجھ میں بڑی مایوسی تھی۔

"مسٹر اشرف ہمت کیجئے۔" فریدی نے اسے پھر دلاسا دیا۔ "میں ابھی فون پر ایس۔ پی کی
اجازت لے کر آپ کے یہاں کا نشیبل بھجواتا ہوں اور میں خود بھی غافل نہ رہوں گا۔"
اشرف کچھ دیر تک بیٹھا رہا۔ اس دوران میں فریدی نے ایس۔ پی کو فون کر کے اجازت
حاصل کر لی۔

"آپ بے فکر رہئے۔"

اشرف جانے کے لئے اخدا۔ اس کے قدم ڈال گا رہے تھے۔ کامنے ہوئے ہاتھوں سے اس نے
دونوں سے مصافحو کیا اور برآمدے سے اتر گیا۔ اسیشن پھر بھونکا اور فریدی نے اسے ڈانت کر
چپ کرا دیا۔

تمہوزی دیر بعد کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور ساتھ ہی ایک جیج بھی سنائی دی۔ پھر کوئی
گر۔ انجن کی آواز فضا میں منتشر ہو رہی تھی۔

اسیشن بھونکتا ہوا چانک کی طرف دوڑا۔ فریدی اور حید بھی ہڑھے۔
اور پھر انہوں نے ایک دل بلادینے والا منظر دیکھا۔ اشرف کی کار کی اگلی نشست کی کمزی کی
کھلی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں ہیجر اندر تھے اور آدھا حصہ نیچے زمین پر تھا۔ ہاتھ پھیل گئے تھے۔
کار کا انجن شور چارہاتا۔ فریدی نے ہاتھ ہڑھا کر انجن بند کر دیا۔

سرک بالکل سنان تھی۔ پھر فریدی نے اسیشن کا پہنچ کر اسے چانک کے اندر دھکیل دیا۔
فریدی کے سارے نوکر بھی اکٹھا ہو گئے تھے۔

اشرف گھری گھری سانسیں لے رہا تھا۔ فریدی نے کار کے اندر نظر ڈالی۔ برکوں کے پاس
ایک انجلشن لگانے والی سرثی چڑی ہوئی تھی۔ اس نے اسے احتیاط سے اٹھا لیا۔ اس میں کوئی سیال

۔۔۔ بھری ہوئی تھی۔

اشرف کو سڑک سے اٹھا کر اندر لایا گیا۔ قریب ہی ایک ڈاکٹر کی بھی کو تھی تھی۔ فریدی نے اسے فون کیا اور وہ پانچ منٹ کے اندر ہی اندر دہاں پہنچ گیا۔ سب خاموش کھڑے تھے۔ حمید بھی فریدی کی طرف دیکھتا تھا اور بھی اشرف کی طرف، جو ابھی تک گھری گھری سائیں لے رہا تھا۔

"صرف یہو شی۔" ڈاکٹر نے سرا اٹھا کر کہا۔ "کوئی خاص بات نہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہو شی محض خوف کا نتیجہ ہے۔"

فریدی نے پر خیال انداز میں سر ہلا دیا۔ ڈاکٹر اشرف کو ایک الجشن دے کر چلا گیا۔ "یعنی بالکل ہمارے سر پر۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ فریدی مسکراتے رکا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ "میرا خیال ہے کہ اگر اسی شیشن اس کی چیز سن کر دوڑانہ ہوتا تو وہ اپنا کام کری گیا تھا۔" حمید پھر بولا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ اس کی نظریں اشرف پر جھی ہوئی تھیں جس میں اب ہوش کے کچھ کچھ آہاد پیدا ہو چلے تھے۔ پھر اس نے کراہ کر کروٹ بدلتی۔ ساتھ ہی اس کی آنکھیں بھی آہستہ آہستہ کھلنے لگیں اور وہ یک بیک انٹھ بیٹھا۔ "میں بھی مرا... ہائے۔" وہ پھر دھڑ سے لیٹ گیا۔

"آپ فیکن گئے ہیں۔" فریدی مسکرایا۔ اشرف اس طرح فریدی کو دیکھ رہا تھا جیسے اس کی بات پر یقین نہ ہو۔ "آپ واقعی فیکن گئے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

اشرف پھر انٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ اپنا بیباں ہاتھ دبارہ تھا۔ "لیکن یہ واقعہ پیش کس طرح آیا۔" فریدی نے پوچھا۔ "اوہ... میں۔" اشرف رک رک کر بولا۔ "میرا ہاتھ گیڑز پر تھا کہ کوئی تیز چیز چیزی۔" اس نے اپنا ہاتھ فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

فریدی نے ایک بجھا لٹکی رکھ کر اس کی طرف سوالی انداز سے دیکھا۔

"یہیں...!" اشرف نے سر پلا دیا۔

"میرے ذہن میں میرے باپ کی موت گونج اٹھی۔" اشرف آہستہ سے بولا۔ "پھر مجھے کچھ یاد نہیں۔"

"اس کا حملہ کامیاب نہیں ہوا۔" فریدی نے کہا۔

"وہ تو نجیک ہے لیکن... اب میں۔" اشرف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"میں خود آپ کو اس وقت واپس جانے کی اجازت نہ دوں گا۔" فریدی نے کہا۔
اشرف کے چہرے سے اطمینان جھلکنے لگا۔

"بلکہ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ ان سب کو بھی کچھ دنوں کے لئے یہیں بالا لوں۔"

فریدی کے اس جھٹے پر حمید کے خیالات کی رو عالیہ کی طرف بہک گئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا کیوں ظاہر کرتا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ حکمی صرف کرٹ اور اس کے دارتوں کے لئے تھی۔ کرع کا آخری وارث حملے کے باوجود بھی یقین گیا تھا۔ پھر اب ان لوگوں کی اتنی حفاظت کیا معمی رکھتی تھی۔ ہاں اشرف کی موت کے بعد پھر ڈاکٹر قدری وارث ہو سکتا تھا۔ مگر جب تک اشرف زندہ ہے اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں۔

حمد کا ذہن عالیہ کے علاوہ اس الجھن کا کوئی جواہر پیش کر سکا۔

"ان لوگوں کو۔" اشرف تھوڑی دیر بعد بولا۔ "میرے خیال سے انہیں تو کوئی خطرہ نہیں۔"

"شائد آپ وہ آج شام والا فائز بھول گئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اوہ! مجھے اپنی پریشانی میں اس کا دھیان ہی نہیں تھا۔"

"اُس فائز سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ دشمن کسی وقت کھل کر بھی سامنے آسکتا ہے۔" حمید کی الجھن اور بڑھ گئی۔ فریدی جان بو جھ کر غلط بیانی سے کام لے رہا تھا۔ آخر کیوں؟ اور پھر اس وقت اس فائز کا تمذکرہ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

پھر تھوڑی دیر بعد فریدی چیلی کو خنی والوں کو فون کر رہا تھا۔ "ہیلو! ڈاکٹر قدری! میں فریدی بول رہا ہوں۔ کیپشن اشرف کو ایک حادثہ پیش آگیا ہے۔ لیکن وہ بالکل بخیریت ہیں۔ کوئی گھبرانے

کی بات نہیں۔ آج رات وہ میرے مہمان رہیں گے.... نہیں نہیں واقعی وہ بغیریت ہیں.... اگر کہنے تو خود ان کو فون پر بلااؤں.... خیر.... بھی میں تو یہ مشورہ دوں گا کہ آپ سب کچھ دنوں کے لئے یہاں آ جائیے۔ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ سب بہت خطرناک پوزیشن میں ہیں۔"

وہ مجرم

دوسرے دن بھی فریدی نے اشرف کو نہ جانے دیا۔ حیدابھسن میں تھا کہ آخر فریدی نے اشرف کو اس سیریٹ کے متعلق کیوں نہیں بتایا تھا اس کے پوچھنے پر فریدی نے صرف یہ بتایا کہ وہ اسے اور زیادہ خوفزدہ نہیں کرتا چاہتا تھا۔ اسی دن دوپہر کو اشرف کو بخار ہو گیا اور شام تک پہلی کوئی کے سارے افراد فریدی کی کوئی شخصی میں اکٹھا ہو گئے۔ ان کے وہاں قیام کرنے کے سطح میں ڈاکٹر قدیر کے علاوہ اور سب متفق تھے اور وہ آخر تک اپنی بات پر اڑا رہ۔ آخر طے یہ پہلا کہ قدر یہ پہلی کوئی شخصی میں رہے گا۔ فریدی نے اس کے علاوہ اور سب کا انتظام کر دیا۔ بہر حال وہ ڈاکٹر قدیر کی ضد پر متعدد نظر آ رہا تھا لیکن نہ بانٹ کیوں اس نے بہت زیادہ اسرا ر نہیں کیا۔ اُس کی تاکید تھی کہ کوئی گھر سے باہر نہ جائے۔ نصیر نے اس پر بڑی دلخواہ لامچائی۔

"آخر کیوں؟" فریدی نے پوچھا۔ "اگر دو چار دن گھر ہی پر رہ جاؤ گے تو کوئی مصیت نہ پڑے گی۔"

"میں بغیر پے نہیں رہ سکتا۔"

"بہت نہیں عادت ڈال لی ہے تم نے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر آؤ۔ میرے ساتھ میں تھا را یہ غدر لنگ بھی باقی نہ رہنے دوں گا۔"

وہ اُسے ایک چھوٹے سے کمرے میں لا یا جہاں اعلیٰ درجے کا فرنچیز موجود تھا اور دیواروں پر مصوری کے ہادر نمونے نظر آ رہے تھے۔ فرش پر بہترین ٹم کا ایرینی قائم تھا۔

فریدی ایک الماری کا پک کھولن کر کھڑا ہو گیا۔ نیچے سے اوپر تک محمد ٹم کی شراب کی بوٹیں جتنی ہوئی تھیں۔

”مگر لارڈ...!“ نصیر تھیز آمیز آواز میں بولا۔ پھر فریدی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”آپ بہت اونچی شرائیں پیتے ہیں۔“

”میں نہ اونچی پیتا ہوں نہ تھی۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”یہ صرف ان مہماں کے لئے ہیں جو اس سے شوق کرتے ہیں۔“

”آپ بہت گریٹ آدمی ہیں۔“ نصیر فریدی کا شانہ دبا کر بولا۔

”لیکن میں کر بلاؤ نہیں مچا دے گے۔“ فریدی نے اس کاہاتھ پٹا کر کہا۔ ”پیغام اور وہ سامنے کوچ ہے چپ چاپ نہ رہو۔ کیا سمجھے، ورنہ میرے خطرناک کتے تمہیں نوج کھائیں گے۔“

پیغم عارف، پیغم نواز اور عالیہ فریدی کی کوئی دیکھتی پھر رہی تھیں۔ حیدان کے ساتھ تھا۔ سانپوں والے کمرے کے قریب سے گذرتے وقت حید نے کہا۔

”اس میں فریدی صاحب کے بعض رشتے دار رہتے ہیں۔“

”اس کمرے میں۔“ عالیہ بولی۔

”ہاں آپ کو حیرت کیوں ہے۔“

”آپ نے کہا بعض رشتے دار.... کیا کہی ہیں۔“

”کہی نہیں درجنوں۔“

”بھلاختے سے کمرے میں۔“

”اگر یقین نہ ہو تو اس کھڑکی سے جھاٹک کر دیکھ لے جائے۔“

عالیہ کھڑکی کے قریب آگئی اور پھر جیخ کر لوٹ پڑی۔

”سانپ....!“ وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

دونوں عورتیں بھی بڑھیں لیکن انہیں بھی گھبرا کر پیچھے ہٹ جانا پڑا۔

کمرے کے اندر فرش پر کئی بڑے بڑے سیاہ رنگ کے سانپ ریک رہے تھے۔

”یہ گھر نہیں مداری کا جھوڑا ہے۔“ حید نہیں کر بولا۔

”لیکن سانپ کیوں۔“ پیغم نوازنے کہا۔

”بس شوق ہی تو ہے۔“ حید بولا۔ ”لیکن گھبرائیے نہیں۔ کمرے کی بناوت انکی ہے کہ وہ باہر نہیں آسکتے۔“

"تمیں چاہیں تو کہتے ہی ہوں گے۔" بیگم عارف نے بیگم نواز سے کہا۔

"کہتے تو خبر سمجھی پاتلتے ہیں، لیکن سانپ۔" عالیہ بولی۔ "انہیں مکھلاتا پلاٹا کون ہے۔"

"خود فریدی صاحب۔"

وہاں سے وہ لوگ آگے بڑھ گئے۔ عجائبات کے کمرے میں وہ تقریباً آدھ کھٹک رہے۔

"اور وہ اپنی دولت اسی طرح برپا کر رہے ہیں۔" بیگم نواز نے کہا۔

"کہیں ان کے سامنے بھی جملہ نہ دہرا دیجھئے گا۔" حمید مکرا کر بولا۔ "وہ اپنی دانست میں

بہت بڑا کام کر رہے ہیں۔"

"شادی کیوں نہیں کرتے۔" بیگم عارف نے کہا۔

"یہ ایک دلچسپ داستان ہے۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "ایک بار انہیں ایک نجومی نے بتایا

کہ تمہاری دو شادیاں ہوں گی۔ جھلا کر بولے میں ایک بھی نہ کروں گا۔ تب سے اب تک اپنی بات

پر اڑائے ہوئے ہیں اور میں اس نجومی کی خلاش میں ہوں۔"

"کیوں....؟" عالیہ بولی۔

"تاکہ میں اس بات پر کسی طرح اسے راضی کروں کہ وہ اپنے الفاظ واپس لے لے۔"

عورتیں بنتنے لگیں۔

"نہیں واقعی کیوں نہیں شادی کرتے۔" بیگم نواز نے کہا۔

"اگر کسی لڑکی سے آپ کو دشمنی ہو تو پھر میں کوشش کروں۔" حمید بولا۔

"کیوں.... میں نہیں سمجھی۔"

"کمال کرتی ہیں آپ بھی۔ کوئی شامت زدہ ہی فریدی صاحب کی تقدیر سے نکرائے گا۔"

"اڑے اسے یہ سارے کتے، سانپ بچھواد بلاو تو جنہ کھائیں گے۔"

عالیہ ہنسنے لگی۔

"اور آپ.... آپ اپنے متعلق کیا کہتے ہیں۔" بیگم عارف نے بس کر کہا۔

"اڑے ہی ہی ہی۔" حمید نے شرمانے کی بڑی عدمہ ایکنگ کی۔

وہ لوگ ایک اور کمرے کے قریب سے گز۔۔۔ اہم عارف پوک پر پیزی۔ اس کا لڑکا فیصلہ

ایک میز کے سامنے بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ میز پر شراب کی بوائل اور گلاس رکھا ہوا تھا۔

حید نے سوچا کہ وقت بڑے مزے میں کٹ جائے گا۔ فریدی نے اس کی ذیوٹی لگادی تھی کہ وہ اس کے ساتھ گھر پر رہے گا۔

حید عالیہ وغیرہ کو ان کے ملکانے پر پہنچا کر اُسی کمرے میں لوٹ آیا جہاں نصیر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ نیم واں گھنٹوں سے حید کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور حید کی ہتھیلی سمجھانے لگی۔

”آئیے آئیے... پیارے بھائی۔“ وہ نشے میں بڑا بڑا۔

حید اسکے قریب بیٹھ کر اس کی پینچھے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ پھر بو گل انداز کر دیکھی جو خالی تھی۔ ”اور چاہئے۔“ حید نے اس سے پوچھا۔

”نہیں پیارے بھائی۔“ وہ رُک کر بولا۔ ”فر... فر... فدائی صاحب نے کہا تھا... سو جاننا۔“

”واہ یار نرے اناڑی معلوم ہوتے ہو۔“ حید فہم کر بولا۔ ”سو گئے تو پھر پینے کا مزہ ہی کیا۔“ ”نہیں اور چیج۔“

اس نے الماری سے دوسرا بوجل نکالی اور میز پر رکھ دی۔ ”نصیر پھر پینے لگا۔

”یاد وہ تمہاری محبوبہ! بھی اشرف کے کمرے میں تھی۔“

”کون عالیہ...!“ نصیر کھڑا ہو گیا۔

”ہاں...!“

”میں دونوں کو شوت کر دوں گا۔“

”اب اس وقت جانے دو۔ وہ اس کے سر میں تبل لگا رہی ہے۔“

”خدا کی حسم مار ڈالوں گا۔“ وہ مشیاں پھیجنے کر لڑ کھڑا ہوا آگے بڑھا۔

”نہیں یار بُری بات ہے۔“ حید نے اُسے پکڑا۔

”ہو گی سالی بُری بات۔ تم ہات جاؤ۔“

”جانے بھی دو صبر کرو۔ واقعی تم پر ظلم ہو رہا ہے۔“

”بُجھ پر ظولم۔ ہائے بُجھ پر ظولم۔ پیارے بھائی۔“ وہ حید کی گردان سے لپٹ گیا اور دعا اڑیں مار دار کر دنے لگا۔ ”ظولم... ہائے ظولم۔“

"صبر کرو.... صبر کا پھل میخا ہوتا ہے۔" حمید نے کہا اور دو تین چکیاں دے کر اُسے چھوڑ دیا اور وہ لڑکھڑا تاہو اپاہر چانے لگا۔ فریدی آفس جا چکا تھا۔ اس نے حمید مطمئن تھا۔

نصیر آگے تھا اور حمید بیچھے... جیسے ہی وہ کاریئر کے سرے پر مڑے سامنے سے اشرف آتا دھائی دیا اور حمید جھپٹ کر ایک کمرے میں چلا گیا۔

نصیر نے اشرف کی گردن میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔ اشرف نے اُسے پرے جھک دیا۔ "یہ کیا بیہودگی۔" وہ گرج کر بولا۔

"ہائیں یہ بیہودگی ہے.... تیل ماش ہوتی ہے.... میں صبر کروں گا.... صبر کا پھل.... صبر کا پھل.... کیا ہوتا ہے.... پیارے بھائی۔" اس نے حمید کو آواز دی۔

"جمیں شرم نہیں آتی۔" اشرف اس کا گریبان پکڑ کر بولا۔ "دوسرا کے گھر میں بھی وہی رکتیں۔"

"یہ میرے باپ کا گھر ہے۔ ہائے.... ہائے.... تیل ماش.... تیل ماش.... بوٹ پاٹ.... آلو چپولے.... آج کا تازہ اخبار.... ختم کر اری گزک۔"

"کیا ابک رہے ہو۔"

"بادہ سالے کی چاٹ.... چ چ را کے نوٹی کھاث.... فرقج لے..... نے..... لپ۔"

اشرف نے بڑھ کر اس کا منڈ بادیا۔ دونوں میں ہاتھ پائی ہونے لگی اور حمید بھی نکل آیا۔

"ڈرامیری مدد سمجھے۔" اشرف ہاپٹا ہوا بولا۔ "مجھے سخت شرمندگی ہے۔"

"س..... سالے.... تیل ماش....!" نصیر نے اشرف کے سر پر دھمود رسید کر دیا۔

اشرف نے اس کے دونوں ہاتھ جکڑ لئے۔

اشرف قابل تعریف حد تک اس کی حرکتوں کو برواشت کر رہا تھا۔ اس نے اس دوران کوئی ایسا روایہ اختیار نہیں کیا جسے انتقامی اسپرٹ سے تعبیر کیا جاسکتا۔ اس کا انداز پندرہ گاہ تھا۔

پھر حمید اور اشرف نے مل کر اُسے مہماں خانے کے ایک خالی کمرے میں بند کر دیا۔

حمدیکو بڑا لطف آرہا تھا۔ لیکن پھر اُس نے سوچا کہ کہیں بات بڑھ کر فریدی تک نہ جا پہنچے۔ اس نے زیادہ چیزیں چھڑا کا ارادہ ملتی کر دیا۔

دوسرا دن صبح تک وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ لوگ یہاں کیوں آئے ہیں۔ چھپلی رات کو

کافی دیر تک متعدد قسم کے دلچسپ مشاغل جاری رہے تھے۔ پھر گیارہ بجے سب لوگ اپنے اپنے کردن میں پلے گئے۔

دوسرے دن فریدی نے ڈاکٹر قدری کو فون کیا اور اس سے استدعا کی کہ وہ رات کا کھانا اسی کے ساتھ کھائے۔

”آخر یہ قدر یہ بھی کیوں نہیں آگیا۔“ حمید نے فریدی سے پوچھا۔

”ذرپوک آدمی نہیں ہے۔“ یہ فریدی کا مختصر جواب تھا۔

رات کو سب کھانے کے کرے میں اکٹھا تھے اور ڈاکٹر قدری کا انتظار ہوا تھا۔ نصیر اس وقت بھی نشے میں تھا لیکن نہ جانے کیوں فریدی کی موجودگی میں بہت زیادہ محاط نظر آ رہا تھا۔ اگر کبھی کسی بات پر بے تحاشہ پستا بھی تو تھیں کو ذرا دبائے ہوئے۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ آواز کو زیادہ بلند ہونے سے روک رہا ہے۔

تحوڑی دیر بعد قدر یہ بھی آگیا۔ وہ پندرہ منٹ دیر سے پہنچنے پر مخدودت طلب کر رہا تھا۔

کھانے کے دوران میں زیادہ تر تفریحی باتیں ہوتی رہیں۔ حمید نے لفٹے شروع کر دیئے تھے۔ عالیہ دل کھول کر ہنس رہی تھی اور نصیر دانت پیس رہا تھا۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ کبھی کبھی ڈاکٹر قدری اور کیپشن اشرف عالیہ سے ٹھنڈو کرنے لگتے تھے وہ ان دونوں کے چیزیں میٹھی ہوئی تھیں۔ نصیر دوسرا طرف ٹھیک اس کے سامنے تھا۔

کھانے کے بعد وہ سب تمباکو نوشی کے کرے میں کافی کا انتظار کرنے لگا۔

ڈاکٹر قدری نے اشرف پر حملے کا تذکرہ چھینٹ دیا۔ وہ فریدی سے حملے کا طریقہ پوچھ رہا تھا۔

”طریقہ وہی تھا جس کا اظہار میں بہت پہلے کر پکا ہوں۔ زہر کا نجکشن....!“

اشرف بے اختیار چونکہ پڑا۔

”آپ نے یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی تھی۔“ اس نے کہا۔

”میں آپ کو اور زیادہ خوفزدہ نہیں کرتا چاہتا تھا۔“ فریدی بولا۔ ”پھر اس نے جیب سے ایک سرٹیٹ نکالی۔“

”یہ اشرف صاحب کی کار میں پائی گئی تھی اور ایک سر لیچ الارٹز ہر سے لبریز تھی۔“

قدیر نے ہاتھ بڑھا کر وہ سرٹیٹ فریدی کے ہاتھ سے لے لی اور اسے اٹ پلٹ کر دیکھا رہا۔

فریدی کی نظریں اس کے چہرے پر جھی ہوئی تھیں۔

"یہ شاید میری ہی ہے۔" قدیر نے لاپرواں سے کہا اور سرخ فریدی کو واپس کر دی۔

سب لوگ چونک کر قدر کو دیکھنے لگے۔ صرف فریدی کا چہرہ استحقاب کے اٹھاد سے عاری تھا۔

"مجھے اسی کی توقع تھی۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

اتھے میں کافی آجھی لیکن ان میں سے کوئی بھی کافی لینے کے موڑ میں نہیں تھا۔

سب کی نظریں قدیر کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور اسکے چہرے سے بیز اڑی ظاہر ہو رہی تھی۔

"آپ لوگ کافی چیز ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "ڈاکٹر قدیر کی سرخ ہونے سے یہ بات ثابت

نہیں ہوتی کہ وہ حقیقتاً مجرم ہیں۔"

فریدی نے صرف عالیہ کے چہرے پر اطمینان کی جھلک دیکھی اور وہ ڈاکٹر قدیر کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ مجرم نے انہیں پھسانے کے لئے یہ حرکت کی ہے۔" اشرف

نے کہا۔

"میں تو یہی سمجھتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور پھر جھک کر کافی لانے والے نوکر کے کان میں

چکھ کہنے لگا۔ نوکر سرہلا کر چلا گیا۔

"وہ سب اپنی پیاریوں میں کافی اٹھیل رہے تھے۔"

"عالیہ صاحب نے غالباً اس گھر کو مدعاہی کے جھولے سے تشبیہ دی تھی۔" فریدی نوکر کے

ہاتھ سے گوشت لیتا ہوا بولا۔

"جی نہیں! میں نے خید صاحب کا جملہ دہرایا تھا۔" عالیہ نے مسکرا کر کہا۔

"بہر حال میں آپ لوگوں کو ایک شعبدہ دکھانا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"بخوبی یہے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں پیرس اٹھا کرنے کے لئے ڈب بھی لیتا آؤں۔ بڑے

بڑے صاحب لوگ موجود ہیں۔"

سب ہنسنے لگے اور حمید تیزی سے کرے سے نکل گیا۔ اس نے خطرے کی بوسر گلہ لی تھی،

لیکن اسے بہت دری میں ہوش آیا۔ فریدی کی آنکھوں میں درندگی کی جھلک پیدا ہو گئی تھی۔ وہ

اچھی طرح جاتا تھا کہ اس دھشت خیز چمک کا کیا مطلب ہے۔

اس نے اپنے کرے میں آگر میز کی دراز سے پستول نکالا اور جیب میں ڈال لیا اور پھر تمبا کو کا ایک خالی ڈبے لے کر تمبا کو تو شی کے کرے میں لوٹ آیا اور ڈبے کو میز پر رکھتا ہوا بولا۔ ”ہاتھ کی صفائی پیٹ کے لئے۔ جو جس کے جی میں آئے تماشے کے بعد ڈبے میں ڈال دے۔ ورنہ جنی کا بول بالا اور سوم کامنہ کالا۔“

ایک بار پھر قہقهہ پڑا اور حمید فریدی کو آنکھ مار کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ خود اس کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا اور اس کی نظریں نسیر پر جھی ہوئی تھیں۔

فریدی نے ایک ڈبی سے ایک ٹکریزہ نکالا اور اسے چمنی سے پکڑ کر سب کو دکھاتا ہوا بولا۔ ”یہ آگ تو نہیں۔“

سب لوگ بہنے لگے۔ وہ پھر بولا۔ ”خوب غور سے دیکھے لیجئے۔“

پھر اس نے وہ ٹکریزے گوشت کے ٹکرے پر رکھ دیئے اور دیکھتے ہی دیکھتے دھوئیں کی ایک ٹکلی سی لکیر اور انہ کو بل کھانے لگی۔

”قدیر صاحب۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”یہی وہ ٹکریزہ ہے جس نے کرٹل کی جان لی تھی۔“ اُن کے زخم پر جلنے کا نشان تو آپ کو یاد ہی ہو گا۔“

”لیکن یہ ہے کیا میلا۔“ ڈاکٹر قدیر مظفر باند انداز میں بولا۔

”پوائزونا چھلی کے سر کا ٹکریزہ۔“

”پوائزونا چھلی۔“ اشرف نے دھر لیا۔

”جی ہاں۔“ فریدی لا پرواہی سے بولا ”اور پوائزونا چھلی کے متعلق انہیں بتانے لگا۔“

اس کے بعد اس نے کرٹل کے متعلق وہ داستان چھیڑی جو اسے رفیق سے معلوم ہوئی تھی۔

”لیا آپ میں سے کسی کو اس کا علم تھا۔“ فریدی نے سوال کیا۔

”نہیں....!“ چاروں طرف سے آوازیں آئیں۔

”لیا آئیا کل اشرف صاحب نے بھی آپ سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔“

قبل اسکے کہ کوئی جواب دیا اشرف خود ہی بول پڑا۔ ”مجھے اس غپ پر یقین نہیں آیا تھا۔“

آخر بہر حال آپ نے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا۔ یہ اچھی عادت ہے۔ میں اسے پسند کرتا ہوں۔“ فریدی بوتا رہا۔ ”لیکن میرا پیشہ ایسا ہے کہ میں کسی بات کو سرے سے غپ ہی کھجھنے پر

مصر نہیں ہوتا۔ ہاں تو مومباس سے تحقیقات کرنے پر معلوم ہوا کہ ہاں اس قسم کا ایک آدمی موجود تھا۔ لیکن وہ تقریباً دس سال سے غائب ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ حقیقتاً ایک ایسا یہی عجیب و غریب جانور اپنے پاس رکھتا ہے۔ ”فریدی خاموش ہو کر ان کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ” مجرم بہت چالاک ہے اور زہروں کے بتعلق اس کی معلومات اور استعمال کے طریقوں کی دادوئی پڑتی ہے۔ مثلاً پرندوں کی موسمیں۔“

”پرندوں کی موسمیں۔“ سب بے اختیار چیز پڑتے۔

”جی ہاں.... مذبوحوں کے ٹھلل کے چلکوں کے پردوں کو زہر میں ڈبوایا گیا اور وہ پرندے انہیں کھا کر.... ہاں تو اشرف صاحب اُس پر اسرار آدمی کا وجود وابہ نہیں تھا۔“

”لیکن پچاچان اس کا تذکرہ کسی سے تو کرتے۔“ اشرف ہر ایک کی طرف دیکھنے لگا۔

”مجھے بھی اس کا علم نہیں تھا۔“ ڈاکٹر قدیر بولا۔

”پھر اس مجرم نے رفیق کو ایک کتوئیں میں قید رکھا۔“ فریدی نے کہا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہ کر یہک یہک عالیہ سے بولا۔ ”کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ مجرم کون ہے۔“

”بھلا میں کیا جاتوں۔“ عالیہ گھبرا کر بولی۔ لیکن فریدی کسی اور طرف دھیان دیے بغیر بولا رہا۔ ”میں نے تقریباً ایک سال کا ریکارڈ چھنواڑا لایا ہے۔ لیکن رفیق کے بتابے ہوئے حلے کے کسی غیر علیٰ کی آمد کا پتہ نہیں چلتا۔ مومباس کی پولیس کا خیال ہے کہ وہ ایک سیلانی آدمی تھا کہیں مر کھپ گیا ہو گا۔“

فریدی پھر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک انہیں فرد افراد اگھوڑتے رہنے کے بعد مکرا کر بولا۔ ”بہر حال مجھے یقین ہے کہ یہ اس کی حرکت نہیں۔ کوئی ایسا آدمی ہے جو ڈاکٹر قدیر سے خاص طور پر نہ خاش رکھتا ہے۔“

”کون ہے وہ۔ میں اس کا خون لی لوں گا۔“ نصیر ہاتھ ہلاہلا کر جیخنے لگا۔

”خاموش رہو۔“ فریدی نے اُسے ڈالا۔ ”میں اُسے اچھی طرح جاتا ہوں۔ کیپن اشرف تم سرخ کے معاملے میں دھوکا کھائے۔ اس پر تمہاری انگلیوں کے نشاتات ملے ہیں۔“

یک یہک کافی کی میزالت گئی اور اشرف اچھل کر بھاگا۔

”خبردار....!“ حمید نے ریو اور نکال لیا لیکن اشرف دروازے سے نکل چکا تھا۔

مورتیں نہی طرح چیخ رہی تھیں۔ حمید دروازے کی طرف چھپتا۔

"خہرو! اس کی ضرورت نہیں۔" فریدی مسکرا کر پر سکون لجھے میں بولا۔ "مہماںوں سے دھینگا مشتی نہیں کی جاتی۔"

دھنگا باہر کتوں کے بھوکنے اور کسی کے چینخ کی آوازیں ستائی دیں۔

"اب جاؤ....!" فریدی نہ کر بولا۔ "ورنہ وہ اس کی بوئیاں اڑا دیں گے۔"

بیگم عارف فریدی کو نہ ابھلا کہہ رہی تھی۔ حمید، قدیر اور نصیر باہر بھاگے۔

"بھروسے کو پکڑنا میر افرض ہے۔" فریدی نے بیگم عارف سے کہا اور وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

تحوڑی دیر بعد وہ تینوں اشرف کو سنجالے ہوئے اندر لائے۔ اس کی کپڑے پھٹ گئے تھے۔

چہرے پر کئی جگہ سے خون رس رہا تھا۔ حمید نے اسے ایک آرام کری پر ڈال دیا۔

"یہ ایک سعادت مند بیٹا ہے۔" فریدی تغیر آمیز لجھے میں بولا۔ "جس نے دولت کے لام

میں باپ اور پچھا کا خون کیا۔ عالیہ کو حاصل کرنے کے لئے ڈاکٹر قدری کو پھنسوانا چاہا۔"

"تم پار بار عالیہ کا نام کیوں لے رہے ہو۔" بیگم نواز گھبرا کر بولی۔

"اس لئے کہ عالیہ بھی ڈاکٹر سے....!"

"فریدی صاحب۔" ڈاکٹر جلدی سے بولا۔ لیکن فریدی اپنا جملہ پورا کئے بغیر پھر اشرف سے

مخاطب ہو گیا۔

"تم نے شروع میں نصیر کو پھسانے کی کوشش کی تھی اس لئے بیگم عارف کا روہاں استعمال کیا تھا۔"

اشرف آرام کری پر ڈاہن پتھارا رہا۔

"تم غلط کہتے ہو کہ تمہیں کرتل اور اس نہ اسرار آدمی کی لڑائی کا حال معلوم تھا۔ کیا تم نے کرع کی زندگی ہی میں ان کی ڈاڑھی نہیں چڑائی تھی۔ کیا تمہیں اس ڈاڑھی سے ان واقعات کا علم نہیں ہوا تھا۔ کل رات میں نے وہ ڈاڑھی برآمد کر لی ہے۔ اشرف صاحب تم لوگوں کو یہاں رکھنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ میں اطمینان سے چیلی کوٹھی کی ٹھلاٹی لے سکوں۔ ڈاکٹر قدری کا مسئلہ کلور و قارم نے حل کر دیا۔"

"کلور و قارم....!" ڈاکٹر قدری چوک پڑا۔

"میں اس کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ میں نے آپ کو سوتے میں بیہوش کیا تھا۔ ہاں تو اشرف... اُس ڈائری پر سے بھی آپ کی انگلیوں کے نشانات لئے گئے ہیں... اور بتاؤں۔" فریدی نے ایک الماری کھول کر اس میں سے جو توں کا ایک جوڑا نکالا اور مسکرا کر بولا۔ "اشرف صاحب کیا یہ جوتے آپ کے نہیں ہیں۔"

اشرف خاموش رہا اور فریدی تھوڑے توقف کے بعد بولا۔ "ان میں سے ایک جوتے کی ایڑی غائب ہے اور وہ مجھے اس کنوئیں کی ایک کلاہ پر ملی تھی، ایسے کاموں میں ربر سول کے جوتے مفید بھی ہوتے ہیں اور نقصان دہ بھی۔ تمہیں ان کی ایڑیوں کی مضبوطی کا اندازہ پہلے ہی گالینا چاہئے تھا۔ اس میں شک نہیں کہ تم نے رفیق کو قید کر کے چھوڑ دینے کی اسکیم بنا کر اپنی انجامی ذہانت کا ثبوت دیا تھا۔ اس طرح یقیناً پوچھر میں پڑ جاتی اور اس پر اسرار اجنبی کو پکڑنے کے لئے نہ جانے کہاں کہاں جال ڈالتی اور کون کون سے کنوئیں سکھاتی تھکن تمہارے ربر سول جو توں کا نہ رہا۔ تمہیں وہ ڈائری بھی ضائع کر دیتی چاہئے تھی اور آخری حفاظت کم از کم ہیرے گھر سے دور رہ کر کرتے۔ ڈاکٹر قدیر کی سرخ ناخن استعمال کی تھی۔ اس طرح اگر اس پر تمہاری انگلیوں کے نشانات نہ بھی ملتے تو میں اس راستے سے بہت جاتا جس پر تم نے پوچھنے کی کو شش کی تھی۔ پس تم ہوس میں مارے گئے۔ جلدی میں تم نے اس کا بھی خیال نہیں رکھا کہ اس پر تمہاری انگلیوں کے نشانات نہ پڑنے پائیں۔ بہر حال کر غل کی دولت تمہارے ہاتھ نہ لگ سکی۔ "ڈاکٹر قدیر میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں۔"

"یہ مبارک باد کا موقع نہیں۔" ڈاکٹر قدیر گلوکیر آواز میں بولا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"ہپ ہپ ہمرا...!" فسیر نشے میں بڑھ لیا۔

"چپ رہو۔" بیگم عارف نے اسے ڈانڈا۔

اور پھر کمرے پر قبرستان کی سی خاموشی مسلط ہو گئی۔

ختم شد